مخدوم محمد معین ٹھٹوی

(حیات و خدمات و افکار)

محمد انس راجپر *

Abstract

The main objective of this article is three fold: firstly, it gives a short life sketch of Makhdoom Muhammad Moeen Thattavi, secondly, it discusses the thoughts and views of Makhdoom Thattavi, and, thirdly it also gives detail about his works. Makhdoom Muhammad Moeen was born in 1093 A.D at Thatta. His father was a great man and religious scholar. As Makhdoom Moeen belonged to the educated family, therefore, he got his early education at his home. However, he had also met with different prominent personalities of his time. This article also throws some light on his interaction with different people who have excelled in shariat and sufism studies. His views thoughts and works are also discussed in some detail.

مخدوم محمد معین نے ٹھٹہ میں ۱۰۹۳ء میں تولد فرمایا۔[۱] ان کے باپ محمد امین اپنے وقت کے بڑے عالم اور فاضل شخص تھے۔ تقویٰ، پرہیز گاری اور اعمال صالحہ میں اپنی مثال آپ تھے۔ مخدوم عبداللطیف بن مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے لکھا ہے کہ ''ان کے آباء رحمہم اللہ تعالیٰ سلف صالحین کا تسلسل تھے۔ ان میں سے کوئی علماء شریعت میں سے نہیں تھا سوائے ان کے حقیقی باپ کے جو مرتے دم تک مذہب امام ابو حنیفہ کے پابند تھے۔''[۲] یہ تعلقہ روپاہ پٹ پاران کے گاؤں ''ڈائی'' (دالی) کے رہنے والے تھے۔ اپنے آباء و اجداد کا وطن چھوڑ کر ٹھٹہ میں آ کر آباد ہوئے فضیلت میں اپنے وقت میں مشہور تھے۔[۳] مخدوم محمد معین کے دادا مخدوم طالب اللہ بڑے نیک صالح اور صاحب کشف بزرگ

* ٹیکنیکل اسسٹنٹ ریسرچ لائبریری، انسٹیٹیوٹ آف سندھیالوجی، سندھ یونیورسٹی، جامشورو

تھے۔ مخدوم معین نے اپنے دادا کے کشف کا ایک واقعہ ''ایقاظ الوسنان فی بطلان الکفایۃ لاہل بیت الرضوان'' میں تحریر فرمایا ہے:

> میں نے بعض شرفاء بزرگوں، جن کی بڑی عمر اور اچھی گفتگو پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، سے سنا ہے کہ میرے دادا اپنے بزرگوں کے ہاں مہمان ہو کر گئے۔ ان کے گھر والوں میں سے ایک بزرگ اچھا برا بولنے میں کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے تھے، اور یہ ان کا انداز گفتگو تھا۔ جب دادا نے ان کی یہ گفتگو سنی تو برا محسوس کیا اور گھر سے نکل کر قبرستان چلے گئے، جہاں انہیں علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ملے۔ جیسے بعض مخلصین سے ان کی بشری کدورتیں دور کرنے کے لیے ملتے ہیں، اور ان کی ناراضی پر ناراض ہوئے، جس پر دادا واپس ہوئے اور ان سے معذرت کی، کہ میں نے آپ کی باتوں کا برا مانا اور اس پر یہ واقعہ پیش آیا، جو پورا واقعہ ان کو بتایا۔[۴]

مخدوم محمد معین کے نانا ملا محمد عثمان 'کھلی' نام کے کسی علاقے کے رہنے والے تھے۔ ذات کے سمیجو تھے۔ سن شعور کو پہنچے تو اپنا اصل گاؤں چھوڑ کر ٹھٹہ میں مقیم ہوئے اور تعلیم بھی ٹھٹہ میں مکمل کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد جہان آباد چلے گئے، جہاں ان کے بخت بلند ہوئے۔ قابل خان جو میر منشی تھے کی وفات کے بعد یہ صدرالصدور اور میر منشی کے عہدوں پر ترقی حاصل کر کے نہایت عزت اور احترام سے اپنی زندگی بسر کرنے لگے۔ یہ مخدوم معین کے دادا مخدوم طالب اللہ کے عقیدت مند اور مرید تھے۔[۵] آگے چل کر یہ مریدی رشتے داری میں تبدیل ہوگئی اور فاضل خان ملا عثمان نے اپنی بیٹی کا رشتہ مخدوم طالب اللہ کے فرزند مخدوم محمد امین سے کر دیا۔ ملا عثمان کا کوئی بیٹا نہ تھا جس وجہ سے ان کی ملکیت کی وارث ان کی بیٹیاں تھیں۔ جن کے نصیب میں آئیں ان کے لیے خوش بختی کا باعث ہوئیں اور وہ مالا مال ہو گئے۔ اس طرح مخدوم معین کے والد بھی ملا عثمان کی بیٹی سے شادی کی وجہ سے مالا مال ہو گئے اور زندگی نہایت خوشحالی سے بسر کی۔ اس حساب سے مخدوم معین نجیب الطرفین تھے۔ ماں باپ، نانا، دادا دونوں اطراف سے صاحب علم و فضل تھے۔ گھر کے ماحول سے لے کر شہر اور ملک تک کے ماحول میں انہیں اعلیٰ علمی سرگرمیاں ورثے میں ملیں۔ انہیں اعلیٰ تعلیم کے لئے بھی کہیں باہر سفر کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ ابتدائی تعلیم سے اعلیٰ تعلیم اپنے گھر کی چوکھٹ پر ملی۔ ابتدائی تعلیم باپ سے حاصل کی۔ اس کے بعد شیخ عنایت اللہ بن فضل اللہ ٹھٹوی سے علم کی تحصیل کی۔

مولانا دین محمد وفائی، محمد اسحاق بھٹی اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ''جب انہوں نے شاہ ولی اللہ کا چرچا سنا تو ان سے تحصیل کے لئے دہلی کا سفر کیا اور اس سے فلسفہ اور لاہیات پڑھ کر وطن واپس ہوئے۔''۶ مصنف نے خود دراسات میں بھی شاہ ولی اللہ سے استفادہ کا ذکر فرمایا ہے اور اپنی اسناد کے بیان میں انہوں نے ایک رسالہ تالیف کیا، اس میں بھی انہوں نے لکھا ہے کہ ''فقیر کتب ستہ از احادیث وغیرہ: جوامع و مسانید و معاجیم و کتب علم کلام و کتب علم اصول و کتب علم ادب و کتب شریفہ علم شریف تصوف متصل سند کے ساتھ مصنفین تک حتیٰ کہ کافیہ نحو میں اس کی متصل سند کے ساتھ ابن حاجب تک دو شیوخ سے روایت کرتا ہے۔ ایک عالم شیخ عبدالقادر مفتی مکہ سے ان کی خاص اجازت کے ساتھ جو انہوں نے اپنی ان سب روایات کے لئے عنایت فرمائی جو فہرست الجامع لجمیع مرویایان میں ہے۔ دوسرے شیخ رفیع القدر شیخ محمد ابو طاہر بن شیخ ابراہیم کردی مدنی ہیں۔ تیسرے شیخ جنہوں نے اس فقیر کو حدیث کی اجازت دی ہمارے شہر کے مشائخ شیخ فیض بن عارف و قطب وقت شیخ آدم ٹھٹوی ہیں۔ چوتھے شیخ جنہوں نے اس فقیر کو اجازت دی حضرت عارف بن العارف کاشف و مشاہد شیخ اجل زکی اللہ سرہندی ہیں۔ پانچویں شیخ جن کی خدمت سے فقیر اجازت رکھتا ہے حضرت ولی وقت حضرت میاں شاہ ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم ہیں۔ سوائے دو شیخ اول جن سے اجازت بالمکاتبہ حاصل ہوئی، باقی تین شیوخ سے اجازت بالمشافہ اور ان میں سے دو سے مکاتبتا بھی حاصل ہوئی۷ جس پر مخدوم عبداللطیف نے رد فرمایا ہے، لکھا ہے کہ ''المعترض الساکن فی تتہ بلدۃ معینۃ من بلاد السند، من اول عمرہ الیٰ ان مات ولم یخرج فی اسفارہ جمیعہا من بلاد السند'' معترض (محمد معین) سندھ کے ایک مخصوص شہر ٹھٹہ کے رہنے والے ہیں اور اپنی پوری عمر شروع سے مرتے دم تک اپنے جمیع رحلات سفر میں سندھ کے شہروں سے باہر کہیں نہیں گئے ہیں۔''۸

یہ بات درست بھی ہے کہ مخدوم محمد معین نے سندھ سے باہر کا کوئی بھی سفر نہیں کیا ہے، تحصیل علم کے لئے اور نہ ہی کسی اور غرض سے۔ اس لئے ان کا دہلی کی طرف کسی سفر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے، لیکن بات یہ بھی صحیح ہے کہ آپ نے شاہ ولی اللہ سے حدیث کی اجازت حاصل کی۔ جیسا

کہ اوپر کے بیان میں مخدوم صاحب کے اپنے الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ آپ نے سندھ سے باہر کے محدثین اور علماء سے استفادہ فرمایا ہے،جن میں سے دو: ایک شیخ عبدالقادر صدیقی دوسرے شیخ ابو طاہر کردی سے خط و کتابت کے ذریعہ اجازت حاصل کی اور باقی سے روبرو بالمشافہ روایت فرمائی ہے۔ مخدوم محمد معین کی دہلی کے سفر کی بات بھی اسی اوپر والے بیان سے نکالی گئی ہے لیکن اس سے یہ بات نکالنا درست نہیں ہے، کیونکہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ شاہ ولی اللہ سے اجازت حاصل کرنے کے لئے مخدوم معین دہلی نہ گئے ہوں۔ شاہ ولی اللہ کسی خیال سے سندھ آئے ہوں اور مخدوم محمد معین نے ان سے اجازت حاصل کی ہو، اور حقیقت بھی یہی ہے، جیسے شاہ محمد عاشق پھلتی کی کتاب ''القول الجلی فی ذکر آثارالولی'' کے چھپ کر آنے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ شاہ ولی اللہ زیارت حرمین شریفین کے لئے دہلی سے پانی پت، سرہند، لاہوز اور ملتان سے ہوتے ہوئے سندھ پہنچے اور پھر حرمین شریفین کے لئے روانہ ہوئے۔ شاہ محمد عاشق پھلتی شاہ ولی اللہ کے سندھ سے گزرنے کی روداد اور مخدوم معین کے ان سے استفادہ کا اس طرح ذکر فرماتے ہیں:

> جب دیار سندھ سے گزر ہوا تو آپ کی آمد کی خبر سن کر اپنے اپنے مقامات سے لوگ ملاقات کے لئے دوڑ پڑے جن میں سے ایک جماعت شریف زیارت سے فیض یاب ہوئی اور کچھ لوگ تاخیر سے پہنچنے کی وجہ سے ملاقات سے محروم رہ گئے۔ شہر ٹھٹہ کے مضافاتی قصبہ نصر پور میں جب قافلہ پہنچا تو بہت سے علماء فضلاء پانچ پانچ چھ چھ کوس سے مسافت طے کر کے رات کے وقت وہاں پہنچے اور اسی وقت خدمت میں باریابی حاصل کر کے سلسلہ بیعت سے منسلک ہو گئے اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے۔ نصر پور کے بعد شہر ٹھٹہ میں شرف نزول فرمایا، وہاں بھی دیگر شہروں کی طرح تمام مقامی علماء اور صوفیاء خدمت میں حاضر ہوئے جن میں سے ایک بڑی جماعت نے بیعت کی سعادت بھی حاصل کی۔ یہیں حضرت شاہ صاحب کے تلمیذ مخدوم محمد معین (جو اس دیار کے علمائے کبار میں شمار ہوتے تھے اور کتاب و سنت و جمیع علوم منقول و معقول میں تبحرتام رکھتے تھے، نیز قوم (یعنی صوفیا) کی اصطلاحات سے پوری واقفیت اور علم حقانی کے ادراک میں ذہن ثاقب کے مالک تھے، اور حضرت شاہ صاحب کے جمال و کمال کے گردیدہ تھے) خدمت میں حاضر ہوئے اور اس صحبت کو غنیمت کبریٰ سمجھ کر خوب خوب فیوض و برکات حاصل کئے اور بیعت و ارشاد کی اجازت سے بہرہ یاب ہوئے۔[9]

مخدوم موصوف کے باہر کے شیوخ میں سے ایک شیخ زکی اللہ بھی ہیں جو سرہند کے تھے۔ موصوف نے ان سے کیسے اجازت حاصل کی؟ اس کے بارے میں کوئی چیز منقول نہیں ہے۔ البتہ شیخ

زکی اللہ سرہندی کے بارے میں منقول ہے کہ حج کے ارادے سے سندھ سے گزرے تھے۔ کچھ وقت ہالہ میں گزرا، اس کے بعد ٹھٹہ سے ہوتے ہوئے مکہ روانہ ہوئے۔ غالبًا مخدوم موصوف نے ہالہ جا کر یا پھر شاید ٹھٹہ ہی میں ان کے آنے کے وقت ان سے حدیث کی اجازت حاصل کی ہو۔[10]

سلسلہ طریقت میں اجازت

مخدوم محمد معین سلسلہ طریقت میں طریقہ نقشبندیہ کے تحت شیخ ابو القاسم نقشبندی کے مرید تھے۔ شیخ ابو القاسم مفتی داؤد کے فرزند اور ٹھٹہ سندھ کے رہنے والے تھے۔ فقہ، اصول فقہ اور علوم عربیہ میں مہارت رکھتے تھے۔ مدت العمر درس و تدریس میں مشغول رہے۔ اورنگزیب نے انہیں محکمہ قضا میں وکیل شرعی مقرر کیا تھا۔ استاذی المکرّم علامہ غلام مصطفیٰ القاسمی السندھی نے لکھا ہے کہ'' مخدوم محمد معین خواجہ ابوالقاسم درس سندھی نقشبندی کے اٹھائیس خلفاء میں سے ایک تھے''[11]۔میرعلی شیر قانع نے طومارسلاسل میں ابو القاسم نقشبندی کے جن اٹھائیس خلفاء کا ذکر کیا ہے، ان میں مخدوم معین کا انہوں نے سرفہرست ذکر کیا ہے۔[12] مخدوم ابراہیم نے القسطاس المستقیم میں لکھا ہے کہ:

> معترض خود(مخدوم محمد معین) طویل مدت قطب عارف ذی عوالی المعارف انسان کامل و کتاب جامع حافظ سلطان ملک ولایت فارس معمار ہدایت اللہ کے امر دائم کے قائم کرنے والے میر نانا شیخ ابوالقاسم نقشبندی قدسنا اللہ بسرہ ونفعنا ببرہ کے ہاں طلب طریقت میں گزاری۔ اوائل میں ان کا ادب کرتے تھے اور ان سے متاثر تھے لیکن جب شاہ عنایت اللہ لانگاہ صوفی کا غلو بڑھ گیا تو اس کی طرف متوجہ ہوئے، تب شیخ ابوالقاسم قدس سرہ نے ان سے برأت کا اظہار کیا جس پر انہوں نے توبہ کی اور شیخ نے ان کی توبہ قبول کی۔ اس کے بعد جب شیخ ابوالقاسم فوت ہو گئے تو ان کی تقلید چھوڑ دی۔[13]

کہا جاتا ہے کہ مخدوم موصوف شاہ عنایت سے بھی متاثر ہوئے لیکن دست بیعت ہونے کی نوبت آئی تو اپنے شیخ ابوالقاسم کی ناراضگی کی وجہ سے اس سے باز آ گئے۔ شاہ عنایت ۱۱۳۰ھ میں شہید کئے گئے، اس وقت مخدوم معین کی عمر ۳۶، ۳۷ برس کی تھی۔ اس کے آٹھ سال بعد ۱۱۳۸ھ میں شیخ ابوالقاسم نقشبندی نے وفات پائی۔ اب ان کی عمر ۴۴،۴۵ کی ہو چکی تھی۔ باقی عمر شاہ عبداللطیف کے ساتھ محبت و دوستی میں گزری۔ صاحب قسطاس المستقیم نے لکھا ہے ''ثم تقلد بقلادۃ السید عبداللطیف التارک''(پھر سید عبداللطیف تارک کا طوق گلے میں ڈالا)۔[14] صاحب نزہۃ الخواطر نے لکھا ہے کہ ''وہ شاہ عبداللطیف کے دست بیعت بھی ہوئے تھے''۔[15] لیکن حقیقت یہ ہے کہ شاہ

عبداللطیف بھٹائی کے بارے میں قانع نے ''یارانہ و عقیدت مندانہ''[۱۶] کے جو الفاظ لکھے ہیں ان سے ان کی آپس کی دوستی و اعتقادی تعلقات کی نشاندہی ہوتی ہے، ارادت و بیعت کی نہیں۔ وہ دست بیعت صرف شیخ ابوالقاسم کے ہی تھے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی کے ان کی طرف ایک خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے شیخ ابوالقاسم کی نسبت چھوڑنے اور کسی اور کے دست بیعت ہونے کے سلسلہ میں ان سے مشورہ لیا ہے، جس کے جواب میں شاہ ولی اللہ صاحب نے ان کو لکھا ہے کہ ''آپ کے ان ایام پیری میں ، جو کہ نقارہ کوچ کے بجنے کا وقت ہے، مرضی یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ اپنے کو اسی نسبت پر رکھیں جو شیخ ابوالقاسم (نقشبندی سندھی) سے حاصل کی ہے۔''[۱۷]

سیرت

مخدوم صاحب کی سیرت و کردار پر کچھ باتیں منفی قسم کی بھی منقول ہوئی ہیں جنہیں مولانا عبدالرشید نعمانی مقدمہ دراسات میں بھی اختیار فرماچکے ہیں جن میں سے ایک بات مخدوم صاحب نے تحریر فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:

> وہ ولیمہ کی دعوت، کوئی سا بھی داعی کیوں نہ ہو، تب تک قبول نہیں کرتے جب تک دعوت دینے والا اپنے اوپر یہ لازم نہیں کرتا کہ وہ فاسقہ مطربہ اور سازوسرود کی محفل کا اہتمام کرے گا اور اس کی مجلس میں سر عام وہ گائیں بجائیں گی۔ اپنی طویل عمر میں دیباج کے طور پر لوگوں سے قرضے لیتے رہے۔ بیع سلم کے جو معتبر شرائط ہیں ان کا لحاظ کئے بغیر اس پر دائمی عمل کرتے رہے۔[۱۸]

دوسرا بیان قسطاس المستقیم مخدوم ابراہیم ٹھٹوی کا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ '' جب سے اس نے سید عبداللطیف تارک کی تقلید کا قلادہ پہنا، انہوں نے مشہور زمانہ سازندے اور قوال اجرت پر لئے، جن میں سے ایک کا نام آنچل دوسرے کا چنچل ہے، اور ایک باغیہ گائکہ مسمات دوری شرعی نکاح میں لی، قوال لوگوں کی محفل میں سازوں سروزوں پر گاتے بجاتے تھے اور گائکہ عورتوں میں گاتی تھیں اور سادات نقشبندیہ احمدیہ معصومیہ کی روایات کو توڑ ڈالا تھا''۔[۱۹]

یہ دو بیان ان کی سیرت کے منفی رخ میں ان کے دو نقادوں کی طرف سے منقول ہیں۔ اس حد تک تو یہ بیان صحیح ہے کہ مخدوم معین سماع کے قائل تھے اور اخیر عمر میں وہ اس کے قائل ہوئے تھے اور انہیں عبادت کا درجہ دیتے تھے لیکن ان بیانوں میں فسق و فجور اور گناہ کا جو رخ دکھایا گیا ہے

، وہ دو وجوہ سے اختراء محض معلوم ہوتا ہے۔

ایک اس وجہ سے کہ سماع کے سلسلہ میں صوفیہ کی جو روایات رہی ہیں ان میں فسق و فجور کا شائبہ تک نہیں ہوتا ہے۔ اس کی گواہی آج تک شاہ لطیف کے مزار پر گانے والے فقیروں کی محافل سماع بھی دے سکتی ہیں۔نفس سماع میں یہ چیز آج بھی نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ زائرین میں عورتیں اور مرد جب شامل ہو جاتے ہیں تو بے پردگی وغیرہ کا ماحول بن جاتا ہے لیکن محفل سماع اس سے پاک ہوتی ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ گناہ کا شبہ نفسانی خواہشات، جو جوانی کی عمر میں پیدا ہوتی ہیں، سے پیدا ہوتا ہے جبکہ مخدوم معین کے یہ پیرانہ سالی کے دن تھے۔

اوپر کے بیانوں میں مخدوم معین پر طویل عمر سے دیاج لیتے رہنے اور بیع سلم پر ان کی شرائط کی پرواہ کئے بغیر دائمی عمل کرتے رہنے کا الزام بھی لگایا گیا ہے۔ معلوم نہیں یہ ان پر کس کی صحبت کا اثر تھا۔ پچھلی صحبت کا اثر تھا، جو ان کی شاہ لطیف اور شاہ عنایت کے ساتھ رہی یا پہلی صحبت کا اثر تھا جو ان کی شیخ ابوالقاسم کے ساتھ رہی، کیونکہ مخدوم معین نے طویل مدت سے شیخ ابوالقاسم کی نسبت پر گزاری ہے، جیسے اوپر مخدوم ابراہیم کے بیان میں گزر چکا ہے۔جذب و سماع کا اثر ان پر اخیر عمر میں چڑھا تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ شیخ ابوالقاسم کی صحبت میں رہتے ہوئے بھی مخدوم معین طویل عمر سے دیاج لیتے اور بیع سلم پر دائمی عمل رکھ سکتے تھے۔ پھر ظاہر ہے کہ اخیر عمر میں بطریق اولیٰ یہ نہیں کر سکتے ہیں۔

بہر حال یہ دونوں بیان نقادوں کے ہیں، جب تنقید کی جاتی ہے تو نقاد تو تنقید کا ساتھ نبھانے کی کوشش کرتا ہے، جو کوشش مذکورہ دونوں بزرگوں نے بہت خوب کی ہے اور اس کے ساتھ انہوں نے بخوبی نبھایا ہے، منصفانہ نظر سے دیکھا جائے تو حقیقت حال جاننے کے لئے غیر جانبدارانہ بیانوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

مخدوم محمد معین کے دو ہمعصر اپنے دور کے بڑے عالم و محدث: شیخ محمد حیات اور محمد ہاشم، جنہوں نے موصوف کی کئی کتب پر رد لکھے ہیں اور ان کے نظریات پر خوب اور بجا تنقید کی ہے لیکن انہوں نے موصوف پر کہیں بھی اس طرح کا کوئی الزام نہیں لگایا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب، مخدوم معین کے ہمعصر اور شیخ تھے اور ان کے ساتھ بہت قریبی تعلق رکھتے تھے۔ دور ہوتے بھی ان کے بہت قریب ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ خط و کتابت کے ذریعہ بہت قریبی احوالوں سے بھی ایک دوسرے کو آگاہ رکھتے تھے۔ شاہ ولی اللہ کے ایک خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ مخدوم معین نے انہیں اپنی

بواسیر کی تکلیف، شاید اپنی بیٹی قرۃ العین کی بیماری، جاگیر کی ضبطی اور حالات کی تنگی سے کہیں ہجرت کرنے کے احوال تک بھی لکھے ہیں۔ شیخ ابوالقاسم کی نسبت تلقین کو چھوڑنے کا معاملہ بھی ان کے سامنے پیش کیا،۲۰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بارے میں اپنی تشنگی کا احوال بھی انہیں لکھ بھیجا اور شاہ ولی اللہ نے اپنے جوابی خطوط میں اس حوالے سے مشورے بھیجے، لیکن اس کے باوجود موصوف کی سیرت وکردار کے حوالے سے شاہ ولی اللہ صاحب کے خطوط میں کہیں بھی ایسی کوئی تلقین نظر نہیں آتی، جس سے موصوف کے کسی منفی عمل کی طرف خفیف سا اشارہ ہی مل جاتا، لیکن اس کے برعکس شاہ صاحب کے خطوط میں مخدوم صاحب کے بارے میں جو خطابات استعمال کیے گئے ہیں۔ وہ ان کی اعلیٰ سیرت اور علمی عظمت کا اعلیٰ اور عظیم نقشہ پیش کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب ایک خط میں لکھتے ہیں:

> رحمت عاجلہ و آجلہ کی پیہم اور لگاتار پھواریں اس خطے پر پڑتی رہیں جو فرشتوں سے گھرا ہوا ہے اور ہمیشہ صبح و شام برکت ظاہرہ و باطنہ کی ہوائیں اس محفل میں چلتی رہیں جو **لا یشقی، جلیسھم** (ان کا ہم نشین بد بخت و محروم نہیں ہوتا ہے اگرچہ وہ عذاب اور سزا کا مستحق ہو) کی صفت سے موصوف ہے اور رحمت ہو اس شخص پر جو عمدہ نشانیوں والا ہے، مقاصد میں سبقت لے جانے والا ہے، جو اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑے ہوئے ہے، سنت کا معین و مددگار ہے اور کتنا اچھا معین و مددگار ہے۔ آمین یا رب العالمین۔۲۱

صوفیا کے ہاں صحبت کا اعلیٰ درجہ پایا جاتا ہے، جب شاہ ولی اللہ جیسا عارف کامل شخص جس شخص کی محفل میں بیٹھنے والوں کو خوش نصیب سمجھے، وہ شخص کس درجہ کا با کمال، روح پرور، صالح اور نیک سیرت ہو گا۔ جو شخص شاہ ولی اللہ کی گواہی کے مطابق اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑنے والا ہو، وہ سیرت و کردار کا یقیناً پیکر ہو گا، اور اس پر مزید تاکید کہ کیا خوب مددگار ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس شخص مخدوم محمد معین کے ساتھ شاہ ولی اللہ انتہائی محبت رکھتے تھے۔ ان کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں مخدوم معین کے خطوط کا انتظار رہتا تھا، اور اپنے ایک خط میں ان کے ساتھ ملاقات کا بہت شوق دکھاتے ہیں اور بہت خوبصورت پیرائے میں اس کا اظہار فرماتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کی ان کے ساتھ محبت کا اندازہ ان کے اس بیان سے بھی مترشح ہوتا ہے:

> آپ کے بارے میں بعض اہل سندھ سے، جو یہاں دہلی میں مقیم ہیں، دشمنوں کا لگاؤ بجھاؤ (چغل خوری) اور ایذاء دینے والوں کی ایذاء دہی کی خبر سنی بعدہٗ آپ کے نامہ گرامی کو پڑھ کر، جو ان حالات پر مشتمل ہے، انتہائی درجے کا رنج و قلق ہوا۔ اللہ کی قسم کھاتا ہوں اور مقرر قسم کھاتا ہوں کہ اگر سلف صالح کا، جن کے دامن سے یہ فقیر وابستہ ہے، عہدہ و پیمان

نہ ہوتا اور یہ فقیر نہیں چاہتا ہے کہ اس عہد کی مخالفت کرے، تو دل بے اختیار چاہتا تھا کہ اس غلط کاروبار کرنے والوں (چغل خوروں) کے گھروں پر جا کر جو کچھ بھی بن پڑے ان کے خلاف (مظاہرہ) کیا جائے بہر حال امید یہ ہے کہ آں عزیز الوجود کی جو اپنی نظیر نہیں رکھتے مسلسل تشویش اور پریشانی میں نہیں چھوڑیں گے۔۲۲

شاہ ولی اللہ صاحب کی ان کے صفائے مشرب کے بارے میں گواہی بھی یہاں ذہن نشین کرنا ضروری ہے جو شاہ صاحب نے ان کی طرف ایک خط میں فرمائی ہے:

آپ کا خط بطریق اقتضا اس بات پر دلالت کرتا تھا کہ کچھ عرصے پہلے فقیر کی جانب سے ایک خط مسئلہ وحدت الوجود شہود کی بحث میں سندھ پہنچا۔ یہ بات حیرت اور اچنبھے کا باعث ہوئی، اس لئے کہ فقیر نے نہ تو اب تک اس بارے میں کچھ لکھا اور نہ اختلافی مسائل سے کبھی تعرض کیا، چاہے وہ اصول میں ہوں یا فروع میں بلکہ فقیر علماء، فقہاء اور صوفیاء میں سے تمام اشخاص کے ساتھ، چاہے وہ شہر دہلی کے رہنے والے ہوں یا باہر کے ہوں، کسی قسم کی کوئی کاوش (مخالفت و عداوت) نہیں رکھتا ہے، پس میں آں منبع فیوض سے مخالفت کس طرح کرتا، جب کہ آپ کے صفائے مشرب کو میں یقین کے ساتھ جانتا پہچانتا ہوں...... فقیر آں منبع فیوضات کے ساتھ ایک ایسا قوی ربط اور اخلاص رکھتا ہے کہ جس کی حقیقت سوائے علام الغیوب کے اور کوئی نہیں جانتا۔ فقیر آپ کے صفائے مشرب کا معتقد اور آپ کی ظاہری و باطنی خوبیوں کا تصدیق کنندہ ہے۔ (ایسی صورتوں میں) بھلا ان کاوشوں (اور عداوتوں) کی کیا گنجائش ہے یہ (کاوشیں اور عداوتیں) تو نصیب دشمناں ہو جائیں۔۲۳

اس بیان سے شاہ ولی اللہ کی طرف سے مخدوم موصوف کے صفائے مشرب کے معتقد ہونے اور آپ کی ظاہری و باطنی خوبیوں کے مصدق ہونے کے الفاظ مخدوم موصوف کی اعلیٰ سیرت و مقام کے مضبوط دلیل ہیں۔ مخدوم موصوف کی سیرت وکردار کا پتہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی دوستی یاری، اٹھنا بیٹھنا، عرفاء صلحاء اور اللہ لوک بزرگوں سے ہوتا تھا۔ جیسے مولوی رحمان علی لکھتے ہیں کہ ''صحبت بسیاری از بزرگان دین رسیدہ'' قانع نے بھی لکھا ہے۔ اکثر صحبت بفقراء و اغلب مجالست باہل اللہ آن صاحب ارشاد کے پیش خاطر رہتا تھا۔ جس شخص کا روح بیقرار صلحاء و عرفاء کی صحبت میں قرار پائے اور بڑے بڑے صلحاء و عرفاء اس سے ملنے سے راحت و سرور پائیں، وہ اخلاقی اور روحانی طور پر ضرور کسی اعلیٰ منزل کا مالک ہو گا۔ قانع نے شاہ لطیف کی ان سے آخری ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''مخدوم صاحب کی بلند مقامی کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ شاہ عبداللطیف جیسے عارف اس سے ملنے کے مشتاق تھے، اسی کی وجہ سے ٹھٹہ جاتے تھے اور اس کے جانے کے بعد ٹھٹہ جانا ہی چھوڑ دیا۔''

مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی میں شاہ فقیر اللہ علوی کے مخدوم معین کی طرف پانچ خطوط موجود ہیں[۲۴] اور دونوں بزرگوں کی آپس کی محبت و عقیدت کے گواہ عادل ہیں، جو مخدوم معین کے اعلیٰ رتبہ کی شہادت تو پیش کرتے ہیں لیکن اشارہ کی حد تک بھی کوئی اخلاقی کمزوری ان سے مترشح نہیں ہوتی۔

مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی کے مرشد سید سعداللہ سورتی سے بھی مخدوم معین کی خط و کتابت رہتی تھی۔ سید صاحب بھی مخدوم معین کی صوفیانہ قابلیت کے معترف تھے۔[۲۵] یہ سب چیزیں اس کی گواہ ہیں کہ مخدوم معین بڑے عرفاء و صلحاء کے صحبتی، تعلق دار، دکھ سکھ اور برے بھلے میں حال بھائی اور اعلیٰ روحانی منازل کے مالک تھے۔

حکام وقت سے مراسم اور مقام

تحفۃ الکرام کا بیان ہے کہ ''حکام بڑے احترام کے ساتھ ان کی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے اور یہ بھی دیگر صاحبان تحقیق کی بنسبت ان سے بہتر ملاقات کیا کرتے تھے۔''[۲۶]

ملاقات الشعراء میں ان کا بیان اس طرح ہے۔

اکثر حکام اکتساب کے ارادہ سے شرف خدمت پاتے تھے اور خود بھی ارباب حکومت سے گرمجوشی سے ملتے۔[۲۷]

ایک غیر جانبدار مؤرخ اور لفظوں کے صحیح استعمال کے ماہر تذکرہ نگار کے یہ نہایت محتاط الفاظ بتاتے ہیں کہ مخدوم محمد معین عام اہل علم کے طریقے کے مطابق حکام کے ہاں جا کر انعام و اکرام اور وظائف لینے کے عادی نہیں تھے بلکہ خود حکام ان کے پاس آیا کرتے تھے اور آکر زیارت کا شرف حاصل کیا کرتے تھے اور مخدوم صاحب اپنی طرف سے اس طرح بھی نہیں کرتے تھے کہ گھر آئے لوگوں سے بے رخی برتتے اور ان کا مناسب احترام بھی نہ کرتے، بلکہ حکام سے بہتر ملاقات کیا کرتے تھے۔ تذکرہ علماء ہند میں ہے کہ ''حکام وقت بدیدنش بکمال تعظیم می رسید ندوی، نیز ایشان ملاقاتہا نیکو کرد''[۲۸]

اس کے باوجود مخدوم محمد معین کبھی کبھی حکام کی ناراضی اور زیادتیوں کا شکار بھی بنے۔ ایک موقع پر ان کی جاگیر ضبط کی گئی، جس پر شاہ ولی اللہ نے افسوس کا اظہار فرمایا اور ایک خط میں شاہ فقیر اللہ علوی نے افسوس کے ساتھ اپنی طرف سے دعا کی، امداد اور صلوٰۃ تنجینا کا وظیفہ بھی انہیں بتایا۔ اس کے بعد

ایک خط میں جاگیر کی بحالی پر شاہ فقیر اللہ نے انہیں مبارکباد دی۔۲۹ بعض حکام کی طرف سے ان کے ساتھ حسد اور کینہ کا ایک واقعہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا جو تحفہ الطاہرین میں منقول ہے، لکھتے ہیں کہ:

> منقول ہے کہ یکے از مقربان نواب سیف اللہ خان غفران منزلت مخدوم محمد معین کے ساتھ ناراضی رکھتے تھے اور انہیں اذیت رسانے کے درپے تھے۔ موقع کی تلاش میں تھے کہ کسی طرح نواب کا دل مخدوم جامع العلوم سے پھیر دے۔ جب مدعا کے لئے کوئی وجہ دستیاب نہ پائی، تو نواب کی خدمت میں لباس تلبیس میں چند تمہیدات سے کام لے کر سرکار چاچکان کی فوجداری اپنے نام پر حاصل کر لی۔ ان کے ذہن میں تھا کہ وہاں پہنچ کر مخدوم کی جاگیر کو جو کہ اس سردار سے تعلق رکھتی تھی، اس طرح خراب کرے کہ دوبارہ آبادی کے لائق نہ رہے۔
> مخدوم غایت اضطراب سے شیخ ابوالقاسم کے ہاں پہنچے۔ آپ وضو میں مشغول تھے کہ حقیقت حال عرض کر دی۔ آپ کو کمال اضطراب سے دل میں درد ہوا۔ وضو کا برتن، جس سے وضو فرما رہے تھے، ہاتھ سے گرا اور ٹوٹ گیا۔ آپ نے مخدوم کی طرف دیکھا اور کہا: خاطر جمع رکھیے اس کتے کا حال بھی اس طرح ہو گا۔ کہتے ہیں کہ نواب سے اس کو جیسے ہی فوجداریٔ سرکار سے سرفرازی ملی، ادھر چل دئے۔ جوں ہی شہر کے گھاٹ پر پہنچے، اس کے گھوڑے نے شوخ پا ہو کر اسے زمین پر دے مارا، اس کا ایک پاؤں زین میں پھنس گیا، گھوڑا اسے زمین پر گھسیٹتا ہوا دوڑا۔ حتیٰ کہ اس کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور آشیانہ جسم سے اس کی روح نکل گئی۔۳۰

بہر حال مخدوم محمد معین حکام کے غصے اور عتاب کا شکار بھی ہوئے تو حکام کے ہاں بلند مرتبہ بھی پایا۔ حکام ان کی سفارش سنتے تھے اور ان کے ہاں ان کی چلتی بھی تھی۔ ''تذکرہ صوفیاء سندھ'' میں ایک روایت ہے کہ محمد جعفر شیرازی سیروتفریح سے ٹھٹہ آئے تھے۔ مخدوم صاحب سے علمی استفادہ بھی کیا۔ مخدوم صاحب نے ٹھٹہ کے ناظم سے اس کی سفارش کی، اس کی مدد سے میاں نور محمد کلھوڑو کے صاحبزادے کے ہاں باریابی پائی اور اس کے مصاحبوں میں شمار ہو گئے۔

علمی اور روحانی کمال

موصوف کی علمی اور روحانی بلند مقامی و کمال اور مرتبہ کے اپنے اور پرائے سب معترف تھے۔ تذکرہ نگاروں نے ان کے علمی اور روحانی کمالات کو بہت سراہا ہے۔ میر علی شیر قانع نے ان کی علمی بلندی کا یوں اعتراف کیا ہے:

> خداوند تعالیٰ نے اس ذات ستودہ صفات کو اپنے وقت کے جملہ فنون کمال کا جامع پیدا کیا تھا۔ معقول و منقول میں وقت کے علامہ اور زمانے میں لاجواب تھے اور اس قدر علمی کمالات کے ہوتے ہوئے بھی راہ سلوک سے آگاہ تھے۔۳۱

مقالات الشعراء میں لکھتے ہیں کہ:

جامع علوم مسقول و منقول حاویٔ معالم فروع و اصول،کاشف حقائق علمی و عملی، شارح دقایق صوری و معنوی، علامہ عصر، تحریر وقت، مظہر انوار حقایق ربانی، مہبط آثار معارف سبحانی بیت:

آنکہ آمد راست بربالش تشریف علوم
ثانیش کس نیست در معقول الا بو علی[۳۲]

اس کمال کے باوجود فقر میں بھی بے مثال اور صاحب حال وقال تھے۔

شاہ فقیر اللہ علوی نے انہیں جا بجا عالم ربانی سے مخاطب فرمایا ہے۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے انہیں: ''قدوۃ المحققین، زبدۃ المدققین، معین الحق والدین'' اور دوسری تائیدات الاہی اس شخص کے شامل حال ہو جیو، جو زبدہ اہل کمال، اور حال وقال کے جمع کرنے والوں کا پیشوا ہے یعنی مخدوم مکرم و معظم معین السنۃ والدین جو کہ حق الیقین کے خزانوں کے امین ہیں''[۳۳] کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ شاہ صاحب کے پچھلے دو جملے موصوف کے مقام و منزل کو اور بھی بڑھا دیتے ہیں۔ حال وقال کو ساتھ رکھنے کا مقام طریقت و سلوک کا انتہائی اعلیٰ مقام و مرتبہ ہے۔ اکثر طریقت کے بعضے اصحاب مخصوص کیفیات حال یعنی وجد وکشف کو جب پاتے ہیں تو اس میں دیکھی ہوئی واردات کی 'قال' یعنی منقولی شرعی علوم کے ساتھ مطابقت کو نہیں پہچان سکتے ہیں اور وہ کشف و حال کو شریعت کے بالکل برعکس خیال کر بیٹھتے ہیں۔ اس کے برعکس بعضے اصحاب شرع کشف و حال کو ظاہر شرع کے خلاف محسوس کرتے ہیں۔ اس کی حقیقت پہچان نہیں پاتے ہیں۔ لیکن بعضے حضرات کمال کے ایسے مراتب پا لیتے ہیں کہ ان کا 'حال و قال' باہمد گر موافق ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب مخدوم معین علیہ الرحمۃ کو اس رتبہ کے لوگوں کا امام مانتے ہیں۔ یہ ایسا مقام ہے جو ہر کسی کو نہیں ملتا۔ شاہ ولی اللہ صاحب مخدوم موصوف کو نہ صرف الاہی علوم کا مظہر بلکہ سرمدی فیوضات کا سرچشمہ مان کر یہ بتاتے ہیں کہ انہوں نے فیوضات سے بہتوں کو مستفیض بھی فرمایا ہے۔ ایک اور خط میں شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:

اللہ تبارک وتعالیٰ آن عزیز القدر کی ذات با برکات کو، جو کہ جلیل القام ہیں اور مقامات کرام کے حصہ وافر اور نصیب اعلیٰ سے کامیاب ہیں، جو قدوہ علماء راسخین اور اسوہ کبرائے محققین ہیں، ان مرادات عظیمہ پر، جن کو آن نادرالافاق کی ہمت عالیہ اور عزم بلند چاہتے ہیں۔ بہرہ مند اور کامیاب کر کے باعث ہدایت جمیع خلق اللہ اور تمام افرادِ بنی آدم کی رشد و ہدایت کا ذریعہ بنا دے۔ اپنے نبی کریم ﷺ اور آپ کی آل و اصحاب امجاد رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طفیل میں۔[۳۴]

شاہ محمد عاشق پھلتی ان کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

شاہ صاحب کا شاگرد، مخدوم معین جو وہاں کے بڑے علماء میں سے شمار ہوتے ہیں اور کتاب وسنت، جملہ علوم معقول و منقول میں تبحر تام رکھتے ہیں اور قوم کی اصطلاحات سے مکمل واقف اور علم حقانی کے ادراک میں ذہن ثاقب کے مالک ہیں۔''۳۵

شاہ محمد عاشق کے ان لفظوں میں مخدوم معین کے معقولی اور منقولی علوم کی بلندمقامی اور تصوف کے اعلیٰ مقامات کی گواہی دیکھی جا سکتی ہے، یہ تو وہ معاصر تھے جو ان سے موافقت رکھتے تھے۔ خود مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی انہیں اپنا استاد اور شیخ کہتے ہیں، جنہوں نے ان کی بہت سی کتب کے رد لکھے ہیں۔ ان کے شاگرد تھے اور مخالفت کے باوجود ان کے اعلیٰ مقام کے قائل تھے۔ انہیں سیدنا ومولانا و شیخنا المستغنی عن الاطالۃ فی المقال۳۶ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ ایک جگہ ان کو سیدی و مولای سلمکم اللہ،۳۷ کے الفاظ سے مخاطب ہوئے ہیں۔ مخدوم موصوف کی علمی خدمات کے عظیم شواہد دیکھ کر ہر صاحب فہم و فراست اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ کس مقام کے آدمی تھے۔ اس لئے پچھلے زمانے تک ہر محقق و نقاد کی رائے ان کے کمالات کے مشاہدہ کا دلیل بن سکتی ہے۔ پچھلے دور کے محققین میں سے صاحب نزہۃ الخواطر مولانا سید عبدالحی حسنی لکھنوی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''احد العلماء المبرزیں فی الحدیث والکلام والعربیہ.....کان مفرط الذکاء وجید القریحۃ معدوم النظیر فی زمانہ راسافی الحدیث والکلام ماہراً بالمعارف الادبیہ''(حدیث کلام در عربی می علماء مبرزین میں سے ایک تھے۔ ذکاوت میں بڑھ کر، ذہین طبع، اپنے زمانے میں معدوم النظیر ۔ حدیث و کلام کے رئیس اور معارف ادبیہ کے ماہر تھے)۳۸ مولانا عبدالحی لکھنوی ایک مسئلے پر بحث کے دوران عبدالوہاب شعرانی جیسے محقق عالم کے ساتھ مخدوم معین کی تحقیق پر اعتماد کرتے ہوئے لکھتے ہیں''جیسے اس کی عبدالوہاب شعرانی نے میزان اورملا معین نے اپنی کتاب دراسات اللبیب میں تحقیق کی ہے''۔ ایک جگہ امام ابن ہمام پر مخدوم معین کے بحث کی ان الفاظ میں تحسین کی ہے: ''صاحب دراسات اللبیب نے ان کا بہترین تعاقب کیا ہے اور مضبوط رد کیا ہے'' اور ساتھ ساتھ السعی المشکور میں ان پر تنقید بھی کی ہے۔۳۹

تذکرۃ علماء ہند میں رحمان علی منشی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

جامع جمیع فنون حاوی معقول و منقول نحریر عصر علامہ وقت تھے باوجود کمالات علمی آشنا بحر معرفت تھے۔۴۰

اتحاف النبلاء میں نواب صدیق حسن خان قنوجی نے بھی ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ انہیں الشیخ الفاضل المحقق[۴۱] کے الفاظ کے ساتھ پکارا ہے۔فقہاء ہند کے مصنف یوں رقمطراز ہیں'' اپنے دور اور صنائقہ میں قرآن و حدیث کی فہم میں یکتا، فقہ اور اصول فقہ پر عبور میں منفرد، تحقیق و کاوش میں ممتاز، ذکاوت و فطانت میں بینظیر، ادب و شعر میں شہرت کے مالک تھے''[۴۲] مخدوم ابراہیم خلیل تکملہ مقالات الشعراء میں انہیں ان لفظوں سے یاد کرتے ہیں کہ ''عمدۃ العلماء الربانیین و قدوۃ المفسرین والمحدثین''[۴۳] حسین دہلوی کچھ علماء کے سامنے مخدوم معین کی کتاب دراسات کی تعریف کر رہے تھے کہ کسی نے کہا آپ کی کتاب کا معیار اس سے بہتر ہے'' تو انہوں نے جواب میں کہا: یہ آدمی بڑے محقق ہیں، کتب میں ان کی نظر نہایت عمیق ہے۔[۴۴]

عمومی مشاغل

موصوف نے اپنی پوری عمر صحبت با اولیاء کے ساتھ ساتھ مساعی علمیہ کو بھی کبھی نظر انداز نہ کیا۔ پوری سرگرمی کے ساتھ درس و تدریس کا شغل بھی جاری رکھا۔ اُن کا ایک مدرسہ بھی تھا جہاں اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مدرسے کے جملہ اخراجات کے مخدوم صاحب خود متکفل تھے۔ قانع ''مقالات الشعراء'' میں لکھتے ہیں ''مدرسہ علمی باحسن وجہ پیش ایشان گرم بود، مغاونت تلامذہ مسافروابستہ ذمت ہمت خود داشت''[۴۵] ان کے مدرسے کے ایک نائب میاں عنایت اللہ طالب علم کا تذکرہ کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ ان کی وفات کے بعد بھی کئی سالوں تک شاگردوں کی خدمت اور تدریس میں مشغول رہے۔ ان کے مدرسے سے بڑے بڑے علماء فضلاء نے تعلیم تکمل کی۔[۴۶] جن کی تعداد یوں تو بہت زیادہ ہے جیسے قانع نے لکھا ہے کہ ''بسیارے بدرس و افادۂ اوصاحب مدرسہ و فتوی گردیدہ'' (یعنی ان کے درس و تدریس سے متعدد لوگ صاحب مدرسہ اور صاحب فتویٰ بنے)[۴۷] لیکن ان بسیار تلامذہ میں سے تذکرہ کی دستیاب کتب میں سے صرف چند کے احوال میسر ہو سکے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

میر نجم الدین عزلت

یہ میر محمد رفیع رضوی بکری ولد میر محمد یوسف کی اولاد میں سے تھے۔ ان کے آباء بھکر سے نقل

مکانی کر کے ٹھٹہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ جامع کمالات اور صاحب فضائل تھے۔ مخدوم محمد معین کے بھانجے اور شاگرد اخص الخاص تھے۔ اپنے استاد کے ہوتے ہوئے صاحب درس و فتویٰ ہوئے اور اس کے شاگرد بھی بڑے کمال کے مراتب کو پہنچے۔ یہ صاحب تصانیف بھی تھے، حیات نے ان کے ساتھ وفا نہ کی مخدوم محمد معین سے ایک سال پہلے فوت ہوئے۔ ۴۸

مولوی محمد صادق ولد مخدوم عنایت اللہ واعظ

آپ مخدوم محمد معین کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ٹھٹہ میں علوم معقول میں اپنے استاد کے یادگار تھے اور ہمعصروں میں بینظیر تھے۔ حضرت استاد میاں نعمت اللہ اکثر معقول میں اپنے شاگرد ان کے ہاں بھیجتے تھے۔ قانع نے ''تحفۃ الکرام'' میں انہیں مخدوم کے شاگردوں کی ناک کہاہے۔ علامۂ وقت اور لائق وفائق استاد ہوگزرے ہیں۔ سید عبداللطیف بھٹائی کے مرید تھے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی انتہائی بے تکلفی کے ساتھ پیری مریدی کی رجوعات سے بے نیاز رہتے ہوئے باطنی وظائف میں مشغول رہ کر گزاری اور وفات پائی۔۴۹

مرزا محمد جعفر شیرازی

محمد بن محمد حسین شیرازی الشہیر بالمولوی سیروسیاحت کے ارادہ سے ہندوستان آئے تھے۔ مخدوم معین کے پاس رہ کر استفادہ علمی کیا اور مخدوم صاحب کی سفارش سے میاں نور محمد کے فرزند خدادا خان کے مصاحبوں میں شمار ہوئے۔ علم جعفر کے ماہر تھے۔ نواب خدایار خان معروف میاں نور محمد کے لئے ''الجفر الجامع'' تصنیف کی،۵۰ جس کا خطی نسخہ سندھیالاجی لائبریری میں موجود ہے۔ مکمل نام ''نور الساطع فی کشف اسرار جفر الجامع'' ہے۔

شیخ محمد حیات سندھی

مورخ خلیل المرادی صاحب سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر واحد تذکرہ نگار ہیں جنھوں نے شیخ محمد حیات کو مخدوم محمد معین کا شاگرد بتایا ہے۔۵۱ اس بات کے دیگر کوئی شواہد معلوم نہیں، اس بنا پر کچھ علماء نے اس سے اختلاف کیا ہے لیکن ان حضرات کے اختلاف کی وجہ صرف ایک ہے، وہ یہ کہ شیخ محمد حیات نے مخدوم محمد معین کی کئی کتب پر رد لکھے ہیں۔ علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی نے ان کی مخدوم معین کے رد میں لکھی ہوئی کتب میں ان کے انداز تخاطب سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ مخدوم

محمد معین کے شاگرد ہیں۔۵۲ شیخ محمد حیات کے باپ کا نام ملافلاریہ تھا۔ چاچڑ قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ اصل گھوٹکی عادلپور کے تھے۔ اپنے گاؤں سے زمانۂ طالب علمی میں ٹھٹھ آئے اور یہاں مخدوم محمد معین کے مدرسے میں تعلیم پائی۔ عنفوان شباب میں سندھ سے ہجرت فرمائی اور مدینہ منورہ علی صاحبہا الصلوات والتسلیمات میں توطن و تاہل اختیار کیا اور وہیں حدیث کی تحصیل فرمائی اور علم حدیث میں بڑا رتبہ پایا۔ مسجد مطہرہ میں ان کا مدرسہ حدیث تھا۔۵۳ مخدوم معین نے اپنے ایک رسالہ ''اکسیر الہدایۃ والنفع فی جمع احادیث الرفع'' میں ان کی حدیث کے متعلق تصنیف اور عمل بالحدیث کے خیالات کی اشارتاً تعریف فرمائی ہے۔۵۴

مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی

مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی ٹھٹھ کے ایک بلند پایہ عالم تھے۔ اپنے دور کے مقتدرہ علماء سے بازی لے جانے والے تھے۔ یہ وہ بزرگ تھے جنہوں نے مخدوم محمد معین سے مناظرات قائم رکھے۔ مسلک اہل سنت کے بڑے داعی اور موید تھے۔ ۱۱۷۴ھ میں وفات پائی۔ ان کے ایک فرزند حاجی عبدالرحمٰن جوناگڑھ میں فوت ہوئے۔ ایک فرزند مخدوم عبداللطیف باپ کے مدرسے کو چلاتے رہے۔ اپنی مسجد میں خطابت اور درس حدیث کا سلسلہ جاری رکھتے تھے۔ مخدوم محمد معین کی کتاب 'دراسات' کے رد میں 'ذب الذبابات الدراسات' تصنیف فرمائی۔

مخدوم عبداللطیف نے ذب الذبابات الدراسات میں اور مخدوم ابراہیم نے القسطاس المستقیم میں مخدوم حاجی محمد ہاشم کو مخدوم محمد معین کے استادوں میں شمار کیا ہے۔ اس کی تصریح کسی تذکرہ نگار نے نہ ہی کسی طرح مخدوم معین نے فرمائی حالانکہ مخدوم محمد معین نے اپنے شیوخ کے نام خود گنوائے ہیں۔ اس بات کو محسوس کرتے ہوئے مولانا عبدالرشید نعمانی نے یہ توجیہہ نکالی کہ مخدوم معین اپنی عمر کے ساٹھ سال علوم عقلیہ میں کھپانے کی وجہ سے بڑے شیوخ حدیث سے تحصیل کا موقع نہ پا سکے اس وجہ سے اپنے معاصر مخدوم محمد ہاشم سے حدیث کا اکتساب کیا۔۵۵ مخدوم عبداللطیف اور مخدوم ابراہیم کے بیانات کو سامنے رکھ کر اور اس بات کو سامنے رکھ کر مخدوم صاحب ساٹھ سال تک عقلی علوم میں مشغول رہے۔ مذکورہ توجیہ قبول کی جا سکتی ہے لیکن ان سب باتوں سے زیادہ وزنی بات کوئی ایسا بیان ہوسکتا ہے جو خود ان دونوں بزرگوں سے اس بارے میں منقول ہو۔ مخدوم معین نے مخدوم حاجی

ہاشم کو اپنی سند حدیث و دیگر علوم میں شامل نہیں فرمایا ہے اور نہ ہی کہیں اور جگہ ایسا کوئی اشارہ یا تصریح کی ہے، البتہ مخدوم حاجی محمد ہاشم کا ایک بیان ایسا پایا گیا جس میں انہوں نے واضح تصریح فرمائی ہے کہ مخدوم محمد معین ان کے استاد اور شیخ ہیں اور وہ ان پر رد صرف حق بات جاننے کے لئے فرماتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> جب اللہ کے دین کے معاملے میں بحث و مباحثہ شرعاً وعرفاً قابل ملامت نہیں ہے، گرچہ کبراء و اساتذہ سے ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ امام محمد بن حسن الشیبانی نے مالک بن انس پر موطا میں اعتراضات کئے اور کتاب اختلاف اہل مدینہ و کوفہ میں اور ان کی دوسری بہت سی کتب میں بہت سارے مسائل پر، جن میں ان کے اجتہاد سے اس کو اختلاف تھا، اس نے بحث و اعتراضات کئے، حالانکہ اس نے ان سے مدت مدید تک حدیث کا اخذ کیا ہے۔ جیسا کہ یہ امر معلوم ہے اور یہ اس لئے اس نے کیا ہے کہ اللہ کے دین میں تکلم، بحث وتحقیق قابل ملامت نہیں ہے۔ اس وجہ سے میں نے بھی بعض سوالات کرنے کی جرأت کی ہے، جو میرے دل میں سیدنا و مولانا وشیخنا المستغنی عن الاطالۃ فی المقال سلمہ تعالیٰ و ابقاہ و حفظہ و عافاہ کے رسالہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس سے میری مراد ان کی مخالفت کرنا نہیں ہے نہ ہی ان پر رد کرنا مقصود ہے۔ بلکہ ان سے سوال کرنا اور ان کی طرف رجوع کرنا مقصود ہے۔ اس لئے اگر خطا پائیں تو اس پر تنبیہ فرمائیں کیونکہ حق اس کے زیادہ قابل ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ اگر حق سمجھیں تو اس کا اقرار فرمائیں کیونکہ حق قبول کرنا چاہیے رد نہ کرنا چاہیے۔[۵۶]

شرف الدین علی

آپ نواب مہابت خان کے مصاحب تھے۔ خدمت احتساب انہیں کے سپرد تھی۔ مخدوم معین کی خدمت سے علمی استفادہ کیا۔ مخدوم محمد معین نے جو رسالہ شرح رموز عقائد صوفیہ نواب مہابت خان کے کہنے پر تصنیف فرمایا تھا، اس پر انہوں نے دیباچہ لکھا اور اس کا قطعہ تاریخ یوں رقم کی:

کیمیاء دان معین الحق: کہ کندزر بیک نگہ زر خاص: قدوہ عالمان پاک سرشت: زبدہ عارفان خاص الخاص: کردہ بروفق خواہش نواب: آسمان قدر آفتاب دلاص: مرجع اہل دولت ازمکنت: منظر اہل فقراز اخلاص: خان صفوت نشان مہابت خان: کہ بحکمش بودفلک رقاص: شرح رمز عقائد صوفی: شیخ فیروز آبروی خواص: سال وی برزبان"عارف" راند: ملہم غیب "آیات اخلاص" ۱۱۳۳ھ۔[۵۷]

میر مرتضیٰ سیوستانی

آپ نجباء سادات میں سے تھے۔ با صلاحیت طالب علم تھے۔ سیوستان کی قضاء ان کے سپرد

تھی۔ ٹھٹھہ آئے اور مخدوم معین کی خدمت میں علمی رسائل کا مطالعہ کیا۔ بزرگی ان پر ختم ہے۔ شاعری کا خوب سلیقہ رکھتے تھے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی سے شاعری کی مشق کی تھی۔ ''ید بیضاء'' میں ان کے شاعری کے نمونے موجود ہیں۔ آزاد نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ''کتب درسی با حسن وجہ تحصیل کردہ ہیں، فارسی میں خوب دستگاہ رکھتے ہیں۔''۵۸

احباب و معاصرین

مخدوم محمد معین کئی وجوہ سے اپنے معاصرین کے معاندانہ رویوں کا شکار بھی رہے۔ ایک تو علمی لحاظ سے اعلیٰ رتبہ پانے کی وجہ سے، دوسرے مالی حالات و اثر و رسوخ میں اپنے مصاحبوں کو پیچھے چھوڑ جانے کی وجہ سے، تیسرے روایتی عقائد و نظریات سے ٹکر لینے کی وجہ سے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اپنی تصانیف میں ایک سے زیادہ مرتبہ خود کو اپنے معاصرین کی معاونت نہ پانے والا کہہ کر باور کراتے ہیں کہ دستیاب کتب کے علاوہ کتب کے سلسلے میں بھی ان کی مدد نہیں کی جاتی تھی۔ اس کے باوجود اپنے معاصرین میں سے یہ صاحب سب سے زیادہ اس لحاظ سے قابل رشک ہیں کہ انہیں اپنے دور کی انتہائی بلند مقام ہستیوں سے محبت و مودت کے تعلقات نصیب ہوئے۔ ذیل میں ہم ان کے ان احباب کا مختصراً تذکرہ شامل کرتے ہیں۔

سید سعداللہ سورتی

سید سعداللہ سورتی کے ساتھ مخدوم موصوف کے محبت و مودت کے تعلقات بڑے گہرے تھے۔ یہ سید سعد اللہ بن السید غلام محمد سلونی قصبہ سلون مدیریہ الہ آباد ہندوستان کے رہنے والے تھے، جن کے بارے میں شیخ ابوالقاسم نقشبندی مخدوم محمد ہاشم کو اس کے یہ پوچھنے پر کہ پھر مجھے اپنے شیخ کا مقام بتاؤ جہاں وہ رہتے ہیں، فرمایا وہ سید سعداللہ سورتی ہیں، جو اپنے دور کے بڑے عالم، صاحب ارشادوصاحب طریقت بزرگ ہیں۔۵۹ مخدوم معین ان کے علمی کمالات کے بہت معترف تھے۔ ان کی رائے شریف کو اکثر آراء پر ترجیح دیتے تھے۔ ضرورت کے وقت مراسلات کے ذریعے ان سے حقائق علمیہ کے حل کے لئے مدد لیتے رہتے تھے۔ ان دونوں کے درمیان علمی مباحث اور ذاتی تعلقات کا سلسلہ قائم تھا۔۶۰

شاہ فقیر اللہ علوی

سندھ کی ایک بلند مقام ہستی شاہ فقیر اللہ علوی تھے، جو صاحب ارباب اقتدار کے ساتھ نہایت

قوی تعلقات رکھتے تھے، یہ اصل جلال آباد کے تھے۔نقل مکانی کر کے شکار پور کو اپنا مسکن بنایا تھا۔ سندھ میں رہنے کے باوجود ان کے تعلقات اپنے پٹھان بادشاہوں سے قائم تھے اور ان سے خط و کتابت بھی جاری تھی۔ یہ بھی مخدوم محمد معین کے دوست تھے۔ ان کے ساتھ مخدوم صاحب کی خط وکتابت رہتی تھی۔ ان کے مکاتب لاہور سے طبع ہوئے ہیں، جن میں مخدوم معین کی طرف لکھے ہوئے پانچ مکتوبات بھی شامل ہیں۔[۶۱]

شاہ عبداللطیف بھٹائی

شاہ عبداللطیف سے ان کی دوستی، محبت و مودت کا عظیم مثال پیش کرتی ہے۔ جب ایک دوست کے جانے کا وقت آتا ہے تو دوسرے دوست سے ملاقات کے لئے چل پڑتا ہے۔ قانع نے لکھا ہے کہ ''صاحب العصر جناب عبداللطیف 'تارک' نے اپنے گاؤں میں خدام سے فرمایا کہ ''چلو تو اپنے یار کے آخری دیدار کے لئے چلیں'' یہ کہہ کر آپ ٹھٹہ آئے اور محفل سماع منعقد کی۔ مخدوم موصوف بھی اسی صحبت میں شامل ہوئے۔ عین گرمی محفل میں وارفتگی شوق میں اٹھ کر اندر گئے اور فوراً جاں بحق ہو گئے۔ مذکور سید (شاہ بھٹائی) نے جنازے میں شمولیت کے بعد گاؤں واپس ہوتے ہوئے کہا کہ ''انہیں کی وجہ سے ٹھٹہ میں آنا ہوا کرتا تھا، بس آج سے یہ بند ہوا۔''[۶۲] شاہ عبداللطیف نے ان سے ایک خط کے ذریعہ کچھ مسائل دریافت فرمائے تھے جن کے جوابات آسان فارسی زبان میں مخدوم معین نے تحریر کئے جو رسالہ ''اویسیہ'' کے نام سے موسوم کئے گئے۔ یہ رسالہ سندھی، اردو دونوں زبانوں میں ترجمہ ہو کر چھپ چکا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی

اس طرح ہندوستان کی مثالی ہستی شجر طیبہ کی حقیقی تصویر، جس کا اصل ثابت اور شاخیں آسمان ہند پر چھائی ہوئیں تھیں، میری مراد اس عظیم ہستی سے شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں۔ مخدوم محمد معین نے ان کی اعلیٰ سند کی وجہ سے ان سے اجازت حاصل کی لیکن اپنے شیخ سے استفادہ علمی کے ساتھ انہیں ان کے ساتھ جو مراسم مودت و الفت نصیب ہوئی تھیں، بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی۔ شاہ ولی اللہ کے مخدوم معین کے نام خطوط، ان کی ایسی مودت کی عکاس ہیں، جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

مخدوم موصوف کی تصنیفات

مخدوم موصوف نے تصنیفات و تالیفات میں بھی بڑی جانفشانی سے کام لیا ہے۔ قانع نے لکھا ہے کہ سب علوم میں ان کی تصنیفات یادگار ہیں۔ مخدوم ابراہیم ٹھٹوی نے القطاس المستقیم میں لکھا ہے کہ ''پوری عمر موصوف نے علم فلسفہ، نجوم اور موسیقی کا مطالعہ کیا، ان علوم اور ریمیا و کیمیا و ہمیا وغیرہ میں تصنیف چھوڑیں۔''۶۳ موصوف کی تصنیفات کی تعداد ۱۱۲ تک پہنچتیں ہیں۔جن میں سے ۴۰ تصنیفات ایسی ہیں جو دستیاب ہیں باقی تصنیفات حوادث زمانہ کے نظر ہوچکی ہیں۔ سردست ان کی تصنیفات حدیث، اصول حدیث، فقہ، فلسفہ، تصوف اور ایک کتاب علم ریمیا، ہیمیا اور کیمیا کے تعارف کے موضوع پر لکھی ہوئی ہے۔ ان کی تصنیفات کی فہرست مندرجہ ذیل ہے :سردالاسانید، یہ رسالہ ان کے شیوخ کی اسناد کے بیان میں ہے۔ دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب، یہ عمل بالحدیث کے موضوع پر ہے۔منتخب مجمع النکات، یہ منتخب احادیث اور اقوال پر مشتمل ہے۔ غایۃ الایضاح فی المحاکمۃ بین النووی و ابن الصلاح، یہ اصول حدیث پر لکھی ہوئی ہے۔ اکسیر الھدایۃ والنفع فی جمع احادیث الرفع، یہ رفع یدین کی احادیث کے بیان اور ان سے متعلق مباحث پر مشتمل ہے۔ التحریر الاول للشیخ الفاضل محمد معین، یہ مخدوم موصوف کی ایک تحریر ہے، جو رفع یدین کی تائید میں مخدوم محمد ہاشم کی پیش کردہ ایک حدیث پر جرح پر مشتمل ہے۔ رفع الجہالۃ فی مد عہد الرسالۃ، یہ رسالہ مد عہد رسالۃ کے وزن اور ناپ کے بیان میں ہے۔ الدلیل الواضح کالبدر علی وضع الایدی فی الصلوٰۃ علی الصدر، یہ نماز میں سینے پر ہاتھ بندھنے کے بحث میں ہے۔ غایۃ ماظہر لاضعف الانام فی ان الکلام المحتمل لا یوجب الاسلام، غیر مسلم اگر کوئی ایسا جملہ کہے جس سے اس کے مسلمان ہو جانے کا احتمال نکلتا ہو، تو کیا وہ مسلمان ہو جائیگا؟ یہ رسالہ اس موضوع پر اصول فقہ کے نقطہ نظر سے بحث کے متعلق ہے۔ التنبیہ علی سوء الفھوم فی ان مثلیۃ تو جب العلوم، یہ رسالہ بھی گزشتہ موضوع پر اصول فقہ کے نقطہ نظر سے بحث کے متعلق ہے۔ غایت مدارج الفک لعقدۃ توھم الیقین لا یزول بشک، یہ رسالہ بھی گزشتہ موضوع پر بحث کے بارے میں ہے۔ نیز الضحی فی حکم قص اللحی، یہ رسالہ ڈاڑھی کے مسائل کے بیان میں ہے۔ غایت الاقتصاد فی مسئلۃ الاختضاب بالسواد، یہ خضاب کی حلت و حرمت کے بیان میں ہے۔ ایقاظ الوسنان فی بطلان الکفائت لاھل بیت الرضوان، یہ اس بیان میں ہے کہ اہل بیت کا کوئی کفونہیں ہے۔ بیاض فتاوی، یہ مخدوم موصوف کی مختلف فتاوی پر مشتمل ہے۔ بیاض انتخاب شاعری، اس بیاض میں موصوف

نے مختلف شعراء کی شاعری کا انتخاب کیا ہے۔ درود شریف، یہ موصوف کا لکھا ہوا درود شریف ہے جو عجیب معانی پر مشتمل ہے۔ بادیۃ الورود فی أثبات وحدے الوجود، یہ وحدۃ الوجود کے بیان میں ہے۔ مراۃ الشھود فی وحدۃ الوجود والموجود، یہ وجود اور موجود دونوں کی وحدت کے بیان میں ہے۔ بوادر الجود فی تحریر وحدۃ الوجود، اس میں بھی وحدۃ الوجود کے مختلف مباحث اور مجدد الف ثانی اور ابن عربی کے خیالات میں تطبیق کا بیان ہے۔ صدع القدم فی تحقیق الوجود علی العدم، یہ بھی وحدۃ الوجود کے اثبات میں ہے۔ دفع الاشکال والرحمۃ فی اول الکل والرحمۃ، تصوف کی ایک بحث ہے یہ رسالہ اس کے بیان میں ہے۔ الحجۃ الباہرۃ فی لزوم المعادین علی الاشاعرۃ، اشاعرہ کے اوپر ان کے ایک مسئلے میں نقطہ نظر پر دو معاد لازم آنے کے بیان میں ہے۔ الاعتدالات الاربعہ، اس میں چار اعتدالات جو صوفیاء کا تزکیہ نفس میں خاص بحث ہے، کا بیان ہے۔ طریقت العون فی حقیقت المکون، اس میں ذات حق تعالیٰ کے تنزلاتِ ستہ کا بیان کیا گیا ہے۔ رفع الغین فی تنزل العلم الی العین، یہ علم اور ایمان جیسی خالص عقلی چیزوں کے اعیان میں مبدل ہونے کی طرح کائنات کے تعین و تجرد کے بیان میں ہے۔ تکوین مع الانفاس، یہ تصوف کے ایک مسئلے تکوین مع الانفاس کے بیان میں ہے۔ الجوہرۃ الثمین فی أثبات قدم المکوین، کائنات کے قدیم ہونے کے بیان میں ہے مطارحات التحقیق فی ما یتعلق ببرہان التطبیق، فلسفہ کے ایک نہایت مشہور دلیل برہان تطبیق کے بیان میں ہے۔ الحق الصریح فی ما یتعلق بشعور المیت فی الضریح، قبر میں میت کو عذاب کا شعور ہونے کے بیان میں ہے۔ رسالہ کلی الطبعی، کلی الطبعی کے متعلق فلاسفہ کے نظریات کی بنیاد پر اس رسالی میں وحدۃ الوجود کا اثبات کیا گیا ہے۔ نزہۃ الفھوم فی اعجوبۃ العلوم، یہ رسالہ ہیمیا، ریمیا اور کیمیا کی تعریف اور ان کی اہمیت کے بیان میں ہے۔ التنبیہات الوقیہ علی الآداب الباقیہ فی علم المناظرہ، مشہور علم مناظرہ کی کتاب آداب الباقیہ پر مخدوم معین کے حواشی ہیں۔ قرۃ العین فی البکاء علی الحسین، امام حسین کے غم میں سیاہ لباس ماتم اور تعزیہ وغیرہ کے جواز کے بیان میں ہے، رسالہ اویسیہ، تصوف کے سلسلہ اویسیہ کے متعلق شاہ عبداللطیف بھٹائی کے استفسار کے جواب میں تحریر شدہ ہے۔ الحجۃ الجلیہ فی ردمن قطع بالافضلیہ، مسئلہ فضل خلفا کے قطعی الثبوت نہ ہونے کے بیان میں ہے۔ الرسالۃ المعینیہ فی تائید الشیعہ، مسئلہ فدک کے بیان میں ہے۔ مخدوم معین کی یہ تصنیفات دستیاب شدہ ہیں جن کے خطی نسخے قاسمیہ لائبریری کنڈیارو، مفید عام

لائبریری سیوہن، لائبریری مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی، ریسرچ لائبریری سندھیالاجی جامشورو، وغیرہ میں موجود ہیں۔ باقی ان کی دوسری تصنیفات جن کے نام مختلف کتب میں حوالے کے طور پر نقل ہوئے ہیں یا دو خطی فہرستوں، ایک ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کے خزانہ کتب اور دوسری مظہر العلوم کھڈہ کراچی لائبریری سے دستیاب ہوئی ہیں، میں شامل ہیں، کی تعداد ۱۱۲ کو پہنچتی ہے۔

مسئلہ فدک میں ان کی رائے

مسئلہ فدک بارے میں ان کا رسالہ جس میں انہوں نے حدیث ارث کی تاویلات کی ہیں، میں بھی ان کا روئے سخن اس طرف ہے کہ ایک دعویٰ حضورﷺ کی بیٹی کی طرف سے ہے دوسرا دعویٰ اس کے جواب میں حضورؐ کے رفیقِ غار حضرت ابو بکرؓ کا ہے۔ ان دونوں مختلف دعوؤں کو باہمی مختلف ہونے کی صورت میں ان مختلف فیہ مسائل کی طرح کیوں نہیں لیا جاتا ہے جو صحابہ کے درمیان مختلف فیہ تھے۔ اس رسالہ میں مخدوم معین نے وہ مسائل جن میں صحابہ کی آراء باہمدگر مختلف تھیں، بیان بھی فرمائے ہیں، اور فرمایا ہے کہ: میں نے کوئی بھی ایسا شخص نہیں دیکھا ہے جس نے صحابہ کے ایسے اختلاف کو ناپسند فرمایا ہو، تو پھر حضرت ابو بکرؓ و حضرت عائشہؓ کے ساتھ حضرت فاطمہؓ کا اختلاف کیوں ممکن نہیں ہے۔ آگے چل کر اس سلسلۂ کلام میں فرماتے ہیں کہ حدیث عائشہؓ: لانورث الخ، کی تاویل حضرت فاطمہؓ کی مدد کرنے کے برابر ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ" اس طرح اگر تمہارے کسی فقہ کے امام کی رائے کا معاملہ ہوتا ہے تو مناسب نا مناسب ہر طرح کی تاویل پر اتر آتے ہو تو پھر آئمہ اہل بیت کے معاملہ میں بے اعتنائی کیوں برتی جا رہی ہے۔ بس اس بنیاد پر انہوں نے کہہ دیا کہ یہ ٹھیکہ صرف روافض نے اپنے سر لے لیا ہے کہ وہ اہل بیت کی آراء کا دفاع کریں۔[۶۴] یہ اور اس طرح کی دوسری باتیں انہوں نے حب اہل بیت میں کہی ہیں۔ اگر جذبات سے ہٹ کر سنجیدگی سے سوچا جائے تو بات صرف اتنی ہی ہے، زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر محبت اہل بیت کا جو مظاہرہ اس دور کے سندھ کے جمیع علماء میں دیکھا جاتا ہے وہ بھی بڑا عجیب ہے۔ خود مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی نے اہلِ بیت کے فضائل میں اپنے رسالہ وسیلۃ الغریب الی جناب الحبیب میں جو روایات نقل کی ہیں، ان کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ مخدوم صاحب نے محدثین کی احادیثِ فضل کی روایت میں رخصت کا بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ مخدوم معین نے بھی کچھ اسی قسم کا مظاہرہ کیا ہے۔

مخدوم محمد معین کے شیعیت کے میلان کے سلسلے کے دوسرے خیالات جو اوپر ذکر ہوئے ان کو بھی اگر اس تناظر میں دیکھا جائے اور مخدوم موصوف کے رسائل میں سلسلہ کلام کے ساتھ جوڑ کر صحیح مدعا کو سامنے رکھ کر پڑھا جائے تو موصوف کے شیعیت کی طرف رجحان کی نفی ہو جائے گی۔ وہ صحابہ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ ان کا پوری زندگی اپنی تمام تصانیف میں سنی مآخذ حدیث و فقہ پر مدار رہا اور اہل تشیع کے مآخذ حدیث و فقہ پر ان کا اعتماد کبھی نہیں رہا۔ جس کا اظہار روافض کے بارے میں ان کے اوپر کے بیان سے ہو جاتا ہے۔

سماع کے بارے میں ان کی آراء

وہ سماع کے بھی قائل تھے اور اسے عبادت کا درجہ دیتے تھے۔ بدقسمتی سے ان کے اس نظریہ کو بھی بڑے منفی انداز سے ان کی ذات کے نقائص میں شمار کیا گیا ہے۔ اس بارے میں ان کی صحیح سوچ کا ان کے اس بیان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کس طرح شریعت و تصوف میں تطبیق و موافقت دکھاتے ہیں۔

> سماع کو بشرط حال، فقہا نے بھی جائز قرار دیا ہے۔ اولیاء نے بھی انہی شرائط پر سماع کو درست قرار دیا ہے اور بعض علماء نے حرام کہا ہے۔ حضرات اولیاء نے حرام سے بھی ایک قدم اوپر کہا ہے۔ چنانچہ حضرت میراں سیدعبدالکریم قدس سرہ الاقدس نے اس باب میں سخت مبالغہ فرمایا ہے تا کہ ان کے مریدوں پر ظاہر ہو کہ اولیاء کے تجویز سماع کی شرائط اس حد تک سخت ہیں کہ وہ شرائط کامل و مکمل ولی کے بغیر مشکل ہیں کہ کسی کو حاصل ہو سکیں۔ ایسا نہیں ہے کہ جو کوئی بھی گریہ کرے اور اس پر حال متغیر ہو، وہ اپنے طور پر سمجھ لے کہ سماع اس کے لئے درست ہے۔ گریہ کے کئی اقسام ہیں۔ کیا معلوم کہ یہ گریہ کس راہ سے پیدا ہوا ہے اور فرخ و کشاد کیسا ہے۔ کیونکہ نفس کی راہ سے یہ اس طرح چوری چھپے آتا ہے کہ شیرانِ اہل الہام و مکاشفہ بھی اس کے ادراک سے عاجز آ جاتے ہیں۔ حرکات کے تناسب سے زوردار رقص و تواجد نغمہ موزون کے سنتے وقت نفس میں پیدا ہوتا ہے اور یہ بیچارہ اس گریہ و آہ و گریباں میں سر میں خاک ڈالے تواجد و رقص کرتے شیطان کے آگے مسخر ہو جاتا ہے۔ گرچہ اس زمانہ میں یہ بھی غنیمت ہے کہ اس تلبیس کے ذریعہ شیطان کسی کو مسخر کرے، اور ان کے ساتھ بازی میں اس حیلہ کا محتاج ہو۔ لہٰذا ایسے لوگ کم ہیں جو ظاہر میں ایسا حال پیدا کریں اور خود بخود بغیر کسی شبہ کے خشک اور خالی سماع کریں اور علماء و اولیاء کے مخالف بنیں یہ با تفاق جمیع علماء اولیاء حرام ہے۔ البتہ شرائط کے ساتھ ساتھ سماع با تفاق ہمہ جائز ہے۔[۶۵]

وحدت الوجود، وحدت الشہود بارے ان کی آراء

وحدت الوجود بارے ان کے نظریات بھی نہایت محتاط ہیں۔ ایک طرف وحدت الوجود کے

ثبوت میں برملا رسائل لکھے ہیں جن میں وجود باری کو ایسا تجرد کی طرف لے گئے ہیں کہ گمان ہوتا ہے وہ شاید وجود باری کے موجود ہونے کے ہی قائل نہیں ہیں۔ جیسا کہ وجود باری کو وہ وجود کلی طبعی کی طرح قرار دیتے ہیں اور جیسا کہ وہ وجود باری کو ایمان وعلم کے عین میں مبدل ہونے کی طرح قرار دیتے ہیں، جو خالص ذہنی چیزیں ہیں خارج میں ان کا کوئی وجود نہیں لیکن وہ عمل کی صورت میں مبدل ہو کر مادہ بنتے ہیں اور پھر جوہر بنتے ہیں۔ جس طرح نماز کا ایمان وعلم ہے جب عمل میں آتا ہے تو خارجی شکل بنتا ہے۔ پھر عالم برزخ میں ملائکہ کی شکل پکڑتا ہے۔ مخدوم موصوف وجود باری کے کمون و بروز و عینیت کی اس طرح قرار دیتے ہیں، ان کے یہ خیالات بھی بڑے دلچسپ ہیں جو انہوں نے رسالہ ''بوادرالجود فی تحریر وحدت الوجود'' میں بڑے دلچسپ انداز میں مجدد الف ثانی اور شیخ اکبر محی الدین ابن العربی کے نظریات کا تقابل اور پھر توافق و تطابق پیش کرتے ہوئے بیان کئے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی وحدت الوجود و وحدت الشہود کے نظریات کو باہمی توافق و تطابق کے طور پر قریب لانے کی کوشش فرمائی ہے۔ تطبیق کی راہ انہوں نے بھی نکالی ہے، لیکن جو کمال مخدوم معین نے دکھایا ہے وہ قابل رشک ہے۔ شاید اسی وجہ سے شاہ ولی اللہ صاحب نے ان کو ایک خط میں ''حال و قال کے جمع کرنیوالوں کا امام'' قرار دیا ہے، اور کہا کہ: ''وہ تحقیقات جلیلہ میں سبقت لے جانیوالے ہیں''، ''مشکلات عقلیہ کو حل کرنے میں کامل و ماہر ہیں''۔ مخدوم معین شیخ اکبر اور مجدد الف ثانی کے نظریات وحدت الوجود، شہود کے تقابلی مطالعے کے دوران ان کے نظریات میں اس طرح تطبیق پیدا کرتے ہیں:

> جاننا چاہیے کہ قطب مجدد باوجود اس کے کہ وجود عرضی، نفسی، محمولی، علمی، رابطی کے تعدد کے قائل ہیں، وجود حق سبحانہ کے تصریح اپنے مکاتیب اور دوسری تصانیف میں کئی مواضع پر کر چکے ہیں کہ ممکنات معدوم ہیں، ان کا خارج میں کوئی وجود نہیں۔ واجب اور ممکن میں وجود کے تشکیک کے قائلوں کی سخت نفی فرمائی ہے اور کہا ہے کہ تشکیک حقیقت میں اس میں شرک ہے جو واجب تعالیٰ سے خاص ہے۔ متکلمین نے اس میں خطا کی ہے اور ان کے لئے ان الفاظ سے دعاء استغفار فرمائی ہے: ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطئنا. اور یہ باعتبار ظاہر تناقض ہے۔ کیونکہ وحدت الوجود تعدد کے ساتھ اکٹھے نہیں ہو سکتا۔ ادھر شیخ اکبر اپنے کشف کے ذریعے مذہب متقدمین کے اختیار کرنے اور فی نفسھا اعراض کے وجود سے انکار کرنے اور وجود حق کے ان کے عین ہونے سے انکار کرنے کے باوجود ممکنات کے اوھام صرفہ ہونے کا حکم نہیں لگایا ہے۔ بلکہ تصریح کی ہے کہ نفس الامر میں ان کا بھی ایک مرتبہ ثبوت ہے۔ کسی

اعتبار کرنے والے کے اعتبار اور توہم کرنے والے کے توہم کئے بغیر، اگر یہ سب منتفی ہو جائیں پھر بھی وہ ان کے انتفاء سے منتفی نہ ہوگا۔ ایسے ثبوت پر ہی دنیا میں تکالیف شرعیہ قائم ہوئی ہیں اور اسی ہی پر وہ تہذیب وانعامات قائم ہیں جو آخرت میں اس کے سبب لازم آتے ہیں۔ جبکہ عدم صرف میں ایسی کوئی چیز نہیں ہوتی ہے۔ یہ بظاہر تناقض ہے۔ بیشک جب علم کی حقیقت اور معرفت الاہیہ عطا ہوگی تو یہ حکم جو ہم نے کیا ہے کہ" وجود حق واجب وجود ممکنات کا عین ہے" حق ہے، اس حیثیت سے کہ حکم سلبی کی طرف رجوع ہوتا ہے، کیونکہ ممکن فی نفسہٖ عدم صرف ہے، وہ عدم کے ایسے ثبوت پر ہونے کے ساتھ کیسے جمع ہوگا، جو تم نے سنا۔ یہ تحریر اشکال مسلک ثانی کی بنیاد پر ہے۔ پہلے کا جواب یہ ہے کہ قطب مجدد قد سنابسرہ نے اعراض کے لئے وجود کو ثابت کیا ہے لیکن وہ ان کے ہاں مشاعر و مدارک سے باہر محقق نہیں ہے اور نہ معتبر اور موہوم صرف ہے بلکہ رویۃ محققہ میں ثبوت ہے جو غلط حسی پر مبنی نہیں ہے۔ اس لئے ممکنات نے وجود خارجی کی بو نہیں چکھی اور وجود علمی بحر نہ پر باقی نہیں رہیں خارج میں موجود حقیقی صرف واجب حق تعالیٰ اور اس کی صفات ہیں"۶۶

اسی طرح مسئلہ توحید کے بارے میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

اگر توحید وجود اس سے عبارت ہے کہ جو کچھ عالم میں ہے عین حق ہے یا حق نے اس میں حلول کیا ہے یا اس میں ظہور کیا ہے، ظہور جسم کا جسم سے یا ظہور عرض کا جسم سے کسی بھی کیفیت میں کیوں نہ ہو، کفر والحاد ہے۔ علماء کے ہاں بھی اور صوفیاء کے ہاں بھی شیخ محی الدین ابن عربی مقدمہ فتوحات میں اپنا عقیدہ بیان فرماتے ہیں، عقائد اشعری کے مطابق فرماتے ہیں، شیعہ نہیں کہ تقیہ کرتے ہیں، جو واقعی ہے، وہ بیان کرتے ہیں، ممکن کو ممکن قدیم کو قدیم اور حادث کو قدیم کے ساتھ کہا ہے۔۶۷

اس طرح توخید وجود میں جس مسلک کی طرف مخدوم معین نے اشارہ فرمایا ہے بعینہٖ وہ مسلک شاہ ولی اللہ صاحب نے مخدوم معین کے استفسار پر ایک خط میں تحریر کیا ہے:

آپ نے اپنے خط میں اشارہ کیا تھا میں مسئلہ وحدت وجود کے بارے میں اپنا مختار و پسندیدہ مسلک لکھوں۔ یہ مسئلہ بہت طویل ہے۔ اس کی تصویر و تحریر ایک بڑی فرصت چاہتی ہے۔ اگر حضرت باری جل مجدہٗ کی مدد شامل حال ہوئی تو ممکن ہے کہ اس مضمون کو احاطہ تحریر میں لایا جائے، فی الحال اس قدر لکھنا ضروری ہے کہ فقیر (اصولی) مسائل میں عقیدے کے لحاظ سے اشعری ہے اور میں نے ان مسائل کی، جن پر میرے عقائد کا دارومدار ہے بزرگانِ صوفیہ کی قرارداد کے موافق کشف و برہان کے طریقے سے تصحیح کی ہے لیکن مکاشفات شیخ اکبر و شیخ کبیر، اللہ تعالیٰ علیین میں ان دونوں کے درجات کو بلند کرے، کا معتقد ہوں اور ان دونوں کو اشاعرہ کے مخالف نہیں جانتا ہوں۔۶۸

تناسخ بارے ان کی آراء

مولانا منظور احمد نعمانی نے لکھا ہے کہ ان کا ایک رسالہ تناسخ کے قول اور مذہب دہریہ کی حقیقت کے بارے میں ہے۔ جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ مخدوم موصوف تناسخ کے قائل تھے جب کہ انہوں نے اپنے رسالے جوہرۃ الثمین فی اثبات قدم التکوین میں شیخ نور بخشی کے ذکر کردہ ایک شعر کی شرح میں اس بارے میں یوں تحریر فرمایا ہے:

یہ قول کہ ''جب تو تحقیق کرے گا کہ یہ تناسخ نہیں ہے'' ایک وہم کے دفع کے لئے ہے، جو وہم ارواح جو ابتداء عالم کی مخلوق ہیں، کے تناسخ کے طریق پر روایات کے لوٹنے کے قائلوں سے پیدا ہوتا ہے اور یہ وہم اس قول سے دفع ہوتا ہے کہ ان دورات میں اعیان مختلف ہوں گے یعنی اللہ تعالیٰ نفوس کو ابدان حادثہ کے تعداد کے مطابق نئے سرے سے پیدا کریں گے اور ان کے ساتھ نفوس ابدان فاسدہ کا تعلق نہ ہو گا، دور ثانی جیسا کہ دورِ اولیٰ کے اشخاص کے ابدان کے ساتھ نہیں ہو گا۔ اس طرح دورِ اولیٰ کے اشخاص کے نفوس کے ساتھ بھی نہ ہو گا جیسا کہ یہ اہل تناسخ باطل کا مذہب ہے۔''[۶۹]

اس عبارت سے واضح ہے کہ مخدوم موصوف تناسخ کو باطل کہتے ہیں، اور اس کی واضح طور پر مذکورہ توضیح کے ساتھ تردید فرماتے ہیں۔ مخدوم موصوف قدم عالم کے بھی قائل ہیں لیکن اس طور پر کہ تناسخ کا اس سے شائبہ تک پیدا نہ ہو۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

''حکماء اسلام میں سے بعض علماء عالم کی ابدیت کے قائل ہیں اور وہ شرعی نصوص، جو کہ عالم کی فنائیت پر دلالت کرتی ہیں، ان میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ ان نصوص میں فنائیت عالم سے مراد اس کی فنا مراد ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جب ایک دورہ ختم ہوتا ہے تو دوسرا دور شروع ہوتا ہے جیسا کہ قبروں سے اٹھ کھڑا ہونا، مردوں کا زندہ کرنا اور قبروں سے مردوں کا نکالنا۔ جس طرح نصوص شرعیہ اس پر ناطق ہیں، اسی طرح یہ سلسلہ غیر متناہی طور پر چلا جاتا ہے اور اسی ابدی مدت میں لوگ (اعمال کے مطابق) اپنے جنتوں اور آگوں (جہنموں) میں داخل ہوں گے جیسا کہ اس سب کی رُسل علیہم السلام نے خبر دی ہے اور عالم کی اس ابدیت کے وصف کے باوجود ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ یقیناً حادث ہے اور فنا کو قبول کرنے والا ہے باوجود اس کے کہ اس کے فنا کے نہ ہونے پر دلیل قائم ہے اور یہ نہیں ہے کہ جو چیز کسی وصف کے لیے قابل ہو تو وہ وصف بھی ضرور وجود میں آئے۔ (ایسا نہیں ہے) کتاب گلشن راز کے شارح عارف محمد بن یحییٰ الاہجی مشہور نور بخشی رحمہ اللہ علیہ کی عبارت اس مذہب پر دلالت کرتی ہے۔

''جان لو کہ جمیع طوائف جو وحدتِ عالم کے قائل ہیں ان سب کا اتفاق ہے کہ عالم کا فنا ہونا جائز ہے لیکن ان میں سے بعض نے فنا کو وقوع پذیر ہونے میں توقف کیا ہے۔ اور یہ علماء باوجود قول حدوث عالم کے اس کی ابدیت کے قائل ہیں اور جو آیات قرآنی عالم کی فنائیت پر دلالت کرتی ہیں۔

میری صغریٰ قیامت روح کا بدن سے نکلنے کا نام ہے۔

اور میری قیامت کبریٰ میرے دورے کے پورے ہونے سے ہے۔

اور وہ میرا معاد اور لوٹنے کی جگہ ہے میری قیامت میں۔

وہ جو اس میں اپنے معبود کے پاس اس میں اپنے بدن سے اٹھوں گا۔

اور جب تو تحقیق کرے گا تو یہ تناسخ نہیں ہے۔ اس طرح ہر دورے میں اعیان مختلف ہوتے ہیں''۷۰ شعر کے انہیں الفاظ کی شرح میں مخدوم معین نے اوپر مذکور عبارت لکھی ہے جس کے ساتھ انہوں نے تناسخ کی نفی فرمائی ہے۔ اس کے ساتھ قریبی تعلق رکھنے والی دوسری بحث جنت و جہنم میں خلود کی ہے۔ مخدوم معین کا اس بارے مسلک ہے کہ خلود سے مراد مکث طویل ہے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو شاہ ولی اللہ کی مندرجہ ذیل عبارت جو انہوں نے مخدوم معین کی طرف ایک خط میں لکھی ہے، مخدوم موصوف کے انہیں نظریات کے عین مطابق ہے، فرماتے ہیں:

مسئلہ اولی الرحمۃ (رحمۃ خداوندی کی طرف زیادہ دلالت کرنے والے) کے بارے میں پوچھا گیا ہے: مخدوما! اس عاجز کا پسندیدہ مسلک یہ ہے کہ نفس انسانیہ کی ذات سے روح ہوائی جو کہ تاریک ہیئت کی حامل ہے، اعراض کرتی ہے اور مادہ مثالیہ سے متعلق ہو جاتی ہے وہاں یعنی مادہ مثالیہ میں تمام نفوس کی ایک ہی حیات ہوتی ہے، ایسا نہیں ہے کہ ہر نفس کے لئے جداگانہ حیات ہو۔ پھر جب وہ وقت قریب آئے گا کہ اس دورے کے ایام ختم ہو جائیں تو سب ارواح انسان الاہی میں غائب ہو جائیں گی، اور انسان الاہی رحمت کے اندر مضمحل اور پوشیدہ ہو جائے گا۔ نسمہ ہوائیہ سے اعراض کے وقت ادل الی الرحمۃ متحقق ہو جاتا ہے۔ پس ارحم الراحمین سب سے آخر میں دوزخ کی آگ سے ایک ایسی قوم کو نکالے گا جس کے افراد نے کبھی خیر کا کوئی کام نہیں کیا ہو گا۔ اور وہ جل کر کوئلہ ہو گئے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کو حیات کے کنویں میں ڈالے گا پس وہ موتی کی طرح ہو جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں داخل کر دے گا۔۷۱

ان کے باقی نظریات

آخر میں ان کے دوسرے خیالات کی بھی ایک جھلک دیکھ لینی چاہیے، جو ان کی مختلف کتب سے لئے گئے ہیں:

اقوال فقہاء جب صحیح حدیث کے خلاف ہوں تو انہیں ترک کر دینا چاہیے۔

فقہاء کے اس اجماع کے چار مذاہب میں سے کسی کو نہ چھوڑنا چاہئے، کے خلاف تھے۔

ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونے کو برا نہیں مانتے تھے۔

اجتہاد کے لئے احاطہ علوم کے شرائط کو رد کرتے ہیں۔

ان کا خیال تھا کہ مکلّف جب کسی حدیث پر مطلع ہو جائے تو فی الفور اسے اس پر عمل کرنا چاہیے، اس بارے میں کسی اور کی طرف اسے رجوع نہ کرنا چاہیے۔ نہ ہی نسخ وغیرہ کی پرواہ کرنی چاہیے۔

کشف کو حجت شرعیہ مانتے تھے۔

آپ اجتہاد اور قیاس کی مطلقاً نفی بھی نہیں فرماتے ہیں لیکن قیاس کو صرف اس صورت میں ضروری مانتے ہیں جب کسی مسئلہ کے بارے میں صحیح حدیث میسر نہ آئے۔ حتیٰ کہ وہ حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر مقدم مانتے ہیں۔

لوگوں کی اس روش پر شدید ناراض تھے کہ ہم فقہاء کے ماننے والے اور پیروکار ہیں، علوم حدیث سے ہم واقف نہیں ہیں، اس لئے اس پر ہم عمل نہیں کر سکتے ہیں۔

ان کی رائے تھی کہ ابو حنیفہ کو احادیث نہیں پہنچی تھیں۔ جیسے بعض احادیث خلفاء اربعہ کو بھی نہ پہنچ پائیں تھیں، کیونکہ شروع زمانے میں جب حدیث کی تدوین ابھی نہیں ہوئی تھی۔ صحیح احادیث جن کی دستیابی تدوین کے بعد آسانی سے ممکن ہوئی، ممکن نہیں تھی۔

امام مہدی کو معصوم مانتے تھے۔ غیر انبیاء میں عصمت کے قائل تھے۔ اہل بیت کی عصمت کے قائل تھے، قرآن اور اہل بیت کو رسول اللہ کے دو خلیفے مانتے تھے اور انہیں حبل اللہ قرار دیتے تھے۔

امہات المومنین کو اہل بیت میں شمار نہیں کرتے تھے جبکہ انہیں سکونت کے اعتبار سے اہل بیت شمار کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ اہل بیت وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے، ائمہ اثنا عشر کو اہل بیت میں سے ہونے کی بنیاد پر معصوم مانتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ صحابہ کا بعض اہل بیت سے اختلاف بھی

ان کی عصمت کے منافی نہیں ہے۔

خطبہ میں نبی ﷺ پر صلواۃ بھیجنے کی منع کے خلاف تھے۔

اجماع کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ اہل بیت کی مخالفت کی صورت میں واقع نہیں ہوسکتا ہے۔

بخاری و مسلم کی روایات کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ ان کی صحت قطعی ہے کیونکہ انہیں امت کی طرف سے تلقی بالقبول حاصل ہے۔ اس لئے جمیع ما فی الصحیحین پر بغیر توقف و نظر کے عمل واجب ہے۔

خواب کے ذریعے حضور ﷺ سے حاصل کردہ علم کی حجیت کے قائل تھے۔ کشف کے ذریعے حاصل کردہ علم کو اجتہاد سے قوی مانتے تھے۔ اپنی کتب میں ان کی بڑی مدح و ثنا کی ہے۔

عمل اہل مدینہ کو اقوی حجج دین قرار دیتے ہیں لیکن اجماع اہل بیت کو عمل اہل مدینہ پر قوی مانتے ہیں۔

ما بعد تکبیر تحریمہ ہر رفع و خفض میں سوائے سجدتین کے رفع و خفض کے، رفع الیدین کے قائل تھے۔ سجدتین کے رفع و خفض میں رفع یدین کی شیخین کی روایات میں نفی موجود ہے، اس لئے اس کے رد کے ساتھ اس بارے میں نرم گوشہ بھی رکھتے ہیں۔ نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں۔

اہل قبور اور ان کی ارواح سے فیض حاصل کرنے اور استمداد کے قائل تھے۔

حوالہ جات

۱- اعجاز الحق قدوسی،گنجینہ تاریخ وفات مشاہیر،(قلمی)، راشدی کارنر ریسرچ لائبریری انسٹیٹیوٹ آف سندھیالوجی،ص ۸۔

۲- مخدوم عبداللطیف ٹھٹوی، ذب ذبابات الدراسات عن المذاہب الاربعۃ المتناسبات،ج:۲، سندھی ادبی بورڈ جامشورو،۱۹۵۹ء،ص۴۵۰۔

۳- میر علی شیر قانع،تحفۃ الکرام،(اردو)،سندھی ادبی بورڈ، جامشورو،۲۰۰۲ء،ص۶۹۳۔

۴- محمد معین ٹھٹوی،ایقاظ الوسنان فی بطلان کفائت قریش لاہلبیت الرضوان، مائیکرو فلم سیکشن، ریسرچ لائبریری انسٹیٹوٹ آف سندھیالوجی۔

۵- میر شیر علی قانع ٹھٹوی،تحفۃ الکرام،(اردو)،سندھی ادبی بورڈ،جامشورو،۲۰۰۲ء،ص۲۰۷۔

۶- مولانا دین محمد وفائی، مشاہیر سندھ،ج:۱،سندھی ادبی بورڈ،ص۱۵۹، محمد اسحاق بھٹی،فقہاء ہند، ج:۵، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ ،لاہور،ص۲۳۲،مولانا عبدالحی لکھنوی حسنی،نزہۃ الخواطر،ص ۳۵۱۔

۷- مخدوم محمد معین ٹھٹوی، سردالاسانید، (قلمی)، مجموعہ معینیہ، مفید عام لائبریری، سیوہن، ص ا۔
۸- مخدوم عبداللطیف ٹھٹوی، ذب ذبابات الدراسات عن المذاهب الاربعۃ المتناسبات، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، ۱۹۵۹ء، ص ۵۱۵۔
۹- حبیب الرحمٰن قاسمی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے سفر حرمین شریفین کی مستند روداد، الولی، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد، جنوری فروری ۱۹۹۵ء، ص ۲۶۔
۱۰- ڈاکٹر محمد زبیر ابوالخیر، حاشیہ سندھ کے صوفیاء نقشبند، پی ایچ ڈی تھیسز، ریسرچ لائبریری انسٹیٹیوٹ آف سندھیالوجی، ص ص ۶۱، ۶۲۔
۱۱- علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی، ترجمہ مراۃ الشھود بوحدۃ الوجود و الموجود، الولی، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، صدر، حیدرآباد، اپریل، مئی ۱۹۷۵ء، ص ۵۷۔
۱۲- میر علی شیر ٹھٹوی قانع، طومار سلاسل، (قلمی)، ریسرچ لائبریری، انسٹیٹیوٹ آف سندھیالوجی۔
۱۳- مخدوم محمد ابراہیم ٹھٹوی، القسطاس المستقیم، (قلمی)، لائبریری مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ، کراچی، ص ۱۴۷۔
۱۴- ایضاً۔
۱۵- مولانا عبدالحی لکھنوی حسنی، نزہۃ الخواطر، ص ۳۵۲۔
۱۶- میر علی شیر ٹھٹوی قانع، تحفۃ الکرام، (اردو)، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، ۲۰۰۲ء، ص ۶۹۳۔
۱۷- شاہ ولی اللہ دہلوی، نادر مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلوی، ترجمہ و تحقیق مولانا نسیم احمد فریدی، مکتوب: ۷۲، ادارہ ثقافت اسلامی کلب روڈ لاہور، ص ص ۲۳۶-۲۳۷۔
۱۸- مخدوم عبداللطیف ٹھٹوی، ذب ذبابات الدراسات عن المذاهب الاربعۃ المتناسبات، ج: ۱، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، ۱۹۵۹ء، ص ۱۰۔
۱۹- مخدوم محمد ابراہیم ٹھٹوی، القسطاس المستقیم، (قلمی)، لائبریری مدرسہ مظہر العلوم، کھڈہ کراچی، ص ۱۴۷۔
۲۰- شاہ ولی اللہ دہلوی، نادر مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلوی، ترجمہ و تحقیق مولانا نسیم احمد فریدی، مکتوب: ۷۲، ادارہ ثقافت اسلامی کلب روڈ لاہور، ص ص ۲۳۶-۲۳۷۔
۲۱- ایضاً، ج ۲، ص ۵۲۷، مکتوب ۶۱۔
۲۲- ایضاً، ج ۲، ص ۴۱۶، ۴۱۷-۴۱۸، مکتوب ۶۱۔
۲۳- ایضاً، ج ۲، ص ۴۱۶، ۴۱۷-۴۱۸، مکتوب ۱۔

۲۴- فقیر اللہ علوی، مکتوبات شاہ فقیر علوی، سٹیم پریس لاہور، ص۱۰۷۔

۲۵- مولانا دین محمد وفائی، تذکرہ مشاہیر سندھ، ج:۱، سندھی ادبی بورڈ، ص ۱۵۹۔

۲۶- میر علی شیر ٹھٹوی قانع، تحفۃ الکرام، (اردو)، سندھی ادبی بورڈ جامشورو، ۲۰۰۲ء، ص۶۹۴۔

۲۷- میر علی شیر ٹھٹوی قانع، مقالات الشعراء، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۵۷ء، ص۱۲۳۔

۲۸- رحمٰن علی منشی، تذکرہ علماء ہند، منشی نو لکشور لکھنو، ۱۹۱۶ء، ص۱۱۶۔

۲۹- شاہ فقیر اللہ علوی، مکتوبات شاہ فقیر اللہ علوی، مکتوب: ۲۲، ۲۳، سٹیم پریس لاہور، ص۱۰۸۔

۳۰- شیخ محمد اعظم ٹھٹوی، تحفۃ الطاہرین، سندھی ادبی بورڈ، ص ص ۸۳، ۸۴۔

۳۱- میر علی شیر ٹھٹوی قانع، تحفۃ الکرام، (اردو)، سندھی ادبی بورڈ جامشورو، ۲۰۰۲ء، ص ۶۹۳۔

۳۲- میر علی شیر ٹھٹوی قانع، مقالات الشعراء، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۵۷ء، ص ۱۲۳۔

۳۳- شاہ ولی اللہ دہلوی، نادر مکتوبات، جلد ۱، ص۲۲۳، مکتوب ۷۰ اور ص ۲۳۵، مکتوب ۷۴۔

۳۴- ایضاً، اکتوبر دسمبر ۲۰۰۰ء، ص ۴۹۔

۳۵- حبیب الرحمٰن قاسمی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے سفر حرمین شریفین کی مستند روداد، الولی، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، صدر، حیدرآباد، جنوری، فیبروری ۱۹۹۵ء، ص۲۶۔

۳۶- مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی، کشف الغطاء عن ما حل و حرم من النوح و البکاء، قاسمیہ لائبریری، کنڈیارو، ص۱۔

۳۷- مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی، غایت مدارج الفک لعقدۃ قولہم الیقین لا یزول بشک، قاسمیہ لائبریری کنڈیارو، ص۲۔

۳۸- مولانا عبدالحی لکھنوی حسنی، نزہۃ الخواطر، ص ۳۵۲۔

۳۹- مولانا عبدالرشید نعمانی، مقدمہ دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب، ص ۷۴-۷۵۔

۴۰- رحمٰن علی منشی، تذکرہ علماء ہند، مطبع نو لکشور لکھنو، ۱۹۱۶ء، ص۱۱۶۔

۴۱- نواب صدیق حسن خان قنوجی، اتحاف النبلاء المتقین فی مآثر الفقہاء والمحدثین، مقصد اول اسامی کتب و مولفین باب الدال۔

۴۲- محمد اسحاق بھٹی، فقہاء ہند، ج ۵، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور، ص۲۳۳۔

۴۳- مخدوم محمد ابراہیم خلیل، تکملہ مقالات الشعراء، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۸۵ء، ص۱۸۵۔

۴۴- مولانا عبدالرشید نعمانی، مقدمہ دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب، ص ۹۲۔

۴۵- ٹھٹوی میر علی شیر قانع، مقالات الشعراء، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۵۷ء، ص ۳۶۳۔

۴۶- ٹھٹوی میر علی شیر قانع تحفۃ الکرام، (اردو)، سندھی ادبی بورڈ جامشورو، ۲۰۰۲ء، ص ۶۹۴۔

۴۷- ایضاً۔

۴۸- ایضاً، ص ۶۹۶۔

۴۹- ایضاً۔

۵۰- ٹھٹوی میر علی شیر قانع، مقالات الشعراء، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۵۷ء، ص ۱۵۰۔

۵۱- مرادی کلیل احمد سلک الدرر فی اعیان قر الثانی عشر،

۵۲- علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی، مقالات قاسمی، طبع اول، ۲۰۰۲ء، ص ۴۷۲۔

۵۳- آزاد غلام علی بلگرامی سبحۃ المرجان فی آثار ہندستان، ص ۵۵۔

۵۴- مخدوم محمد معین ٹھٹوی، اکسیر الہدایۃ والنغع فی جمع احادیث الرفع، مفید عام لائبریری سیوہن، ص ۱۷۔

۵۵- مولانا عبدالرشید نعمانی، مقدمہ دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب، ص ندارد۔

۵۶- مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی، کشف الغطاء عن ما حکم دعرم من النوح والبکاء، قاسمیہ لائبریری، کنڈیارو، ص ۱۔

۵۷- ٹھٹوی میر علی شیر قانع، مقالات الشعراء، سندھی ادبی بورڈ ۱۹۵۷ء، ص ص ۳۸۵، ۳۸۴۔

۵۸- ایضاً۔

۵۹- مخدوم محمد ابراہیم خلیل، تکملہ مقالات الشعراء، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، ص ۴۵۔

۶۰- ٹھٹوی میر علی شیر قانع، تحفۃ الکرام، (فارسی)، ج ۲، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، ۱۳۰۱ھ، ص ۳۳۔

۶۱- اعجاز الحق قدوسی، تذکرہ صوفیاء سندھ، اردو اکیڈمی کراچی، ۱۹۵۹ء، ص ۱۹۰۔

۶۲- ٹھٹوی میر علی شیر قانع، تحفۃ الکرام، (اردو)، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، ۲۰۰۲ء، ص ۴۷۵۔

۶۳- مخدوم محمد ابراہیم ٹھٹوی، القسطاس المستقیم، (قلمی)، لائبریری مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ، کراچی، ص ۱۴۷۔

۶۴- مخدوم محمد ابراہیم ٹھٹوی، رسالہ معینیہ فی تائید الشیعۃ، نسخہ خطیہ، قاسمیہ لائبریری، کنڈیارو، ص ۳۔

۶۵- مخدوم محمد ابراہیم ٹھٹوی، رسالہ اویسیہ، نسخہ خطیہ، نیشنل میوزیم، کراچی، ص ۱۶۔

۶۶- مخدوم محمد ابراہیم ٹھٹوی، بوادر الجود فی تحریر وحدۃ الوجود، نسخہ خطیہ، مجموعہ رسائل معینیہ، مفید عام لائبریری سیوہن، ص ۱۲۳۔

۶۷- ایضاً۔

۶۸- شاہ ولی اللہ دہلوی، نادر مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلوی، ''ترجمہ و تحقیق، مولانا نسیم احمد فریدی''، ج ۲، مکتوب ا، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص ص ۴۱۷-۴۱۸۔

۶۹- مخدوم محمد ابراہیم ٹھٹوی، جوہرۃ الثمین فی اثبات تقدم التکوین، ص ۲۰۔

۷۰- ایضاً۔

۷۱- شاہ ولی اللہ دہلوی، نادر مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلوی، ''ترجمہ و تحقیق، مولانا نسیم احمد فریدی''، ج ا، مکتوب ۲۷، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص ص ۲۲۹-۲۳۰۔

ادارہ ھذا کی نئی اشاعت

کتاب کے بارے میں

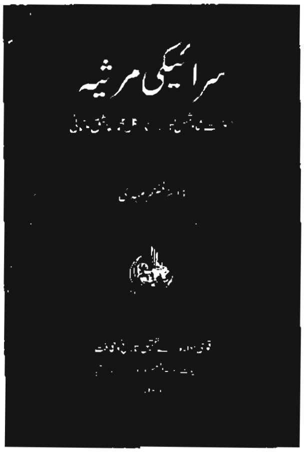

سرائیکی مرثیہ کی بنیاد پر سرائیکی زبان و ادب کی اساس قائم و دائم ہے۔اس کی وجہ سے عوام میں اپنی زبان اور ادب کا احساس موجود ہے۔زمانہ قبل از اسلام سرائیکی مرثیہ ہندو مت، بدھ مت اور جین مت کے مذاہب میں موجود تھا اور اُن مذاہب میں بھی مرثیہ گوئی اور مرثیہ نویسی کو خصوصی مقام حاصل تھا۔طلوعِ اسلام کے بعد جب برصغیر کے ہزاروں لاکھوں قبائل مسلمان ہوئے تو جن دو اصناف نے غیر مسلموں کو اسلام کی طرف راغب کیا اور انھیں عام فہم انداز میں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا اُن میں سب سے بڑا کردار قوالی اور پھر سرائیکی زبان نے ادا کیا۔قوالی پر بہت کتابیں موجود ہیں لیکن سرائیکی مرثیہ پر مستند مواد کمیاب ہے۔جناب ڈاکٹر غضنفر مہدی کی اس محققانہ کاوش میں سرائیکی زبان کی تاریخ، اُس کا دیگر پاکستانی زبانوں سے تعلق اور رابطہ بھی موجود ہے۔بلاشبہ ڈاکٹر صاحب کے اس شہ پارہ کی روشنی میں تحقیق کے بہت سے دیگر نئے ابواب کھلیں گے جس سے جنوبی ایشیا کی قدیم ترین زبان سرائیکی کا حسن اور خدوخال زیادہ نمایاں ہوں گے۔

جب بھی سرائیکی زبان و ادب کی تاریخ لکھی جائے گی، اس کے پہلے پانچ چھ بانیوں میں ڈاکٹر غضنفر مہدی کا نام سرِ فہرست ہوگا۔ڈاکٹر صاحب کو اپنی میٹھی زبان سرائیکی اور پھر سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی یاد میں تحریر کردہ مرثیہ سے بے پناہ اُلفت ہے اور یہ محبت و چاشنی انہیں ورثہ میں ملی ہے۔آپ نے اس تصنیف میں سرائیکی زبان اور مرثیہ دونوں سے محبت کا بے پایاں ثبوت دیا ہے۔میری خواہش ہوگی کہ یہ تصنیف ڈاکٹر غضنفر مہدی کی فنِ مرثیہ پر آخری کتاب نہ ہو بلکہ اسے وہ صرف ابتدائیہ سمجھیں اور پھر اس صنف کے بحرِ ذخار کے ہیرے جواہر اور موتیوں کو یکجا کر کے قارئین اور ناظرین کو پیش کریں۔ میں صنفِ اول کی اس محققانہ کاوش پر اپنے عزیز دوست ڈاکٹر غضنفر مہدی کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ بلاشک وشبہ یہ تاریخ اور تحقیق دونوں شعبوں کی بہترین کتاب ثابت ہوگی۔

پروفیسر ڈاکٹر احمد حسن دانی

بذریعہ ڈاک منگوانے کیلئے رابطہ کریں

قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، مرکزِ فضیلت، قائداعظم یونیورسٹی

پوسٹ آفس باکس نمبر ۱۲۳۰، اسلام آباد، ۴۴۰۰۰، پاکستان